TEXT PROBLEM WITHIN THE BOOK ONLY

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222191
UNIVERSAL
LIBRARY

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سراب مغرب

تصنیف

مصوّرِ غم علّامہ راشد الخیری مدظلّہ

یادگار شمس العلما ڈپٹی نذیر احمد مرحوم

جسے

ملّا محمد واحدی دہلوی

نے

بماہ جمادی الآخر ۱۳۴۵ہجری النبوی مطابق دسمبر ۱۹۲۶عیسوی

چھٹی مرتبہ

جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

(قیمت ۸ر)

11987

اطلاع

سراب مغرب کا دائمی حق اشاعت مصنف علامہ راشد الخیری نے مجھے دیدیا ہے اس لئے کوئی صاحب کسی حصہ کو بطور خود چھاپنے کا ارادہ نہ کریں ورنہ اخلاقی و قانونی جرم کے مرتکب ہونگے۔ ہاں تاجران کتب سراب مغرب منگانا چاہیں تو معقول کمیشن پر اس کی جلدیں دفتر رسالہ نظام المشائخ دہلی سے خرید سکتے ہیں۔

جس کتاب پر پبلشر کے قلمی دستخط نہ ہوں وہ مال مسروقہ سمجھی جائے گی۔

خاکسار محمد واحدی مالک و اڈیٹر نظام المشائخ دہلی

الزہرا رضی اللہ عنہا

تعلیم نسواں کی آڑ میں جس سنگدلی سے مغربی طوفان چمنستان مشرق کو پامال کر رہا ہے وہ کسی باخبر سے پوشیدہ نہیں۔ جن خوبیوں پر مسلمانوں کو ہمیشہ ناز رہا اور جن باتوں پر وہ سدا فخر کرتے رہے آج انکا شائبہ بھی نظر نہیں آتا روزہ، خلق، محبت، خلوص، ہمدردی، سلیقہ اور کفایت شعاری کی بجائے اس وقت وہ لڑکیاں پیدا ہو رہی ہیں جو اسلام سے کوسوں دور اور مغربی رنگ میں چکنا چور دکھائی دیتی ہیں۔ ایسے نازک موقع پر کہ یہ مشرقی بیمار دم توڑ رہا ہے اور اگلی خوبیاں حالت نزع میں ہیں اشد ضرورت ہے کہ لڑکیوں کی نگاہ سے وہ کتابیں نکلیں جو سعادتمند اور سلیقہ شعار بیویاں سچی مسلمان اور کامل انسان بنا سکیں۔ کتاب زمانہ کی رفتار کو ہاتھ سے نہ دے اور نہایت خاموشی سے اپنی دلچسپی میں ان جواہرات سے لبریز ہو جنکی چمک آنکھوں کے ساتھ دلکو بھی منور کر دے لڑکیوں کے پڑھنے کے قابل اسوقت جو کتابیں موجود ہیں ان میں دیکھکر کس قدر صدمہ ہوتا تھا کہ بنت رسول سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا کے کارناموں سے زنانہ لٹریچر قطعاً محروم ہے۔ کتاب کی تکمیل چنداں مشکل کام نہ تھا مگر میرا دل یہ چاہتا تھا کہ یہ واقعات اس بلبل خوش الحان کے نغموں میں ادا ہوں جس کا قلم تمام ہندوستان کو مسخر کر چکا ہے۔ یعنی علامہ راشد الخیری مد ظلہ مولینا کا قلم بنت رسول کی داستان کہہ نہیں سکتا کہ کتاب کس پایہ کی ہے البتہ میں ایک بیش بہا خزانہ کے علاوہ الزہرا بتلائے گی کہ میاں بیوی کس طرح رہتے ہیں مائیں بچوں کو کس طرح پالتی ہیں۔ دنیا کے ساتھ دین کیونکر میسر آتا ہے۔ باپ بیٹیوں کے کیا تعلق ہوتے ہیں اور انسانی ہستی کیا معنی رکھتی ہے الزہرا افسانہ نہیں بنت رسول کے حالات و سوانح ہیں اور یہ واقعات ایسے درد انگیز پیرایہ میں لکھے ہیں کہ پڑھتے ہچکی بندھ جاتی ہے۔ باوجود مذہبی حیثیت کے اس قدر دلچسپ ہے کہ بار بار پڑھنے سے بھی نیت سیر نہیں ہوتی خاتمہ پر ایک مفصل بحث شہادت اہلبیت پر ہے اور میدان کربلا کے واقعات جسطرح ادا کئے گئے ہیں اسکی بابت صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ "محرم کا بیان اور مولینا کی زبان"۔ ضخامت [illegible] جزو، قیمت ۱۲

ملنے کا پتہ: مینیجر نظام المشائخ پوسٹ بکس نمبر ۱۵ - دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ظن المومنین خیرا، مسلمان کا یقین و ایمان ٹھیرا۔ حسن ظن اسلام کی نشانی اور انسانیت
کا ثبوت ہی۔ لاریب ہم کو میر احسن سے بدظن ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ ان کا نام بڑا
اُن کے کام موزوں۔ اُن کے افعال درست اُن کے اعمال ٹھیک۔ مگر یہ کہنا گناہ
نہ ہوگا کہ حسن خاندان کی لڑکیاں مرتے مرگئیں اور سادات کی بات پر حرف نہ آنے
[illegible] صنے دکھانے کے قابل عورتیں رانڈ ہو کر گھر کے کونوں میں پڑے سیاہ ہوئیں
اور قبروں میں پہنچ [illegible] ہاں اکرم جیسی بچی کا یہ حشر یقیناً میر صاحب کے دامن پر وہ دھبہ ہے
جو کسی کے چھٹائے نہیں [illegible] کمتا۔ میر کلن جیسی آن بان کا آدمی جس کے قدموں پر برسوں
[illegible] نے ٹوپیاں ڈالیں مگر اس نے بیٹی نہ دی۔ نواب [illegible] دلہا دریا ارمان
دل کے دل میں لے گئے کہ ایک سید [illegible] کا گھونگٹ اپنے ہاتھ [illegible]۔ مگر اس نے
[illegible] بیٹی تین دن کی بیاہی [illegible] ہوئی اور [illegible] کا شہر بھر میں
شہرہ تھا مچ مچاتی دنیا سے اُٹھ گئی مگر دوسرے [illegible] کی صورت نہ دیکھی۔ خدا کی شان اس غیرت
و حمیت کا شخص اور اس کی حقیقی پوتی کا یہ انجام ہوا [illegible] ہم کو بھی انکار نہیں کہ مغربی سیلاب اور
طرز جدید کی رو اندھا دھند امنڈتی چلی آرہی تھی اور ایک [illegible] چھین کیا اگر تمام دنیا کے سید زادے
زور لگا دیتے تو یہ طوفان رُکنے والا اور یہ بہاؤ ٹھہرنے والا نہ [illegible] مگر چھین بڑے باپ کا بیٹا گھر کا
رئیس ساری برادری کا منڈھا کنبہ کا سرتاج اتنا تو سوچتا کہ اس منزل [illegible] مقام اس مسافر کا قیام س

صبح کی شام اور اس آغاز کا انجام کیا ہوگا اس پر سوئیڈ یا عزیز نہیں قریب نہیں دوست
نہیں رشتہ ناتا نہیں اس کا بس چلتا تو وہ سادات کی آبرو بیچ بازار برباد کروا دیتی میر اچھن
کو اس پر بھروسہ کرنے کی وجہ اور اعتماد کا سبب کیا ہے مگر جب پر جو گزرا وہ اس کے سزاوار
تھے اور یہ اُن کے کردار کا نتیجہ اور اعمال کا انجام تھا۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ایک مچھلی نے سارا
جل گندہ کیا۔ اور اس ناہنجار اولاد نے بڑوں کی آبرو اور بزرگوں کی عزت سب برباد
کردی، اور وہ اصل نسل سید جنکا خاندان چاند کی طرح چمک دمک رہا تھا، اس پر ایسا
کلنک کا ٹیکا لگا کہ جبتک زندہ رہیں گردنیں نیچی اور زبانیں خاموش رہیں گی۔ ہماری آنکھوں نے
جہاں میر اچھن کے یہ کرتوت دیکھے وہاں یہی آنکھیں میر کلن کا وہ سماں بھی دیکھ چکی ہیں کہ جو ہر شرافت
خاندان سادات میں اس طرح چمک رہا ہے کہ سارا شہر اس کی روشنی سے جگمگا اُٹھا۔ میر کلن کہنے
کے مسلمان نہ تھے، ان کا اسلام سچ مچ کا اسلام تھا اور وہ ایسے مسلمان تھے کہ آج ویسے مسلمان نظر
نہ آئیں گے اُنہوں نے بیوی کی جو قدر و منزلت کی اور پرائی جائی کو جس عزت سے رکھا اب بھی
دنیا اس سے سبق لے سکتی ہے، وہ بہنوں کے عاشق بھائیوں کے پروانہ ماں باپ کے فرمانبردار
تھے وہ نوکروں کے آقا ہی نہ تھے، اُن کی شفقت اور محبت دلسوزی و ہمدردی نے ماماؤں
کو گھر اور نوکروں کو ماں باپ بھلا دیئے، اُن کا فیض صحبت و صحبت کا اثر ایسا تھا کہ بیوی
ایسی بیوی تھی جس کے جنازے کے ساتھ محلہ بھر کی واویلا اُٹھی، اس کا دستر خوان اتنا عام تھا
کہ بیسیوں پیٹ اس سے پلتے اسکا رحم و کرم اتنا وسیع تھا کہ دور دور کی بڑھیا ٹھریاں
رانڈیں اور اپاہج اس کا شہرہ سنکر آتیں اور بامراد جاتیں ان تمام باتوں کے ساتھ دونوں
میاں بیوی کی دعا ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة خالی نہ تھی اُنکی دنیا بھی ایسی
کہ خدا تمام دنیا کو نصیب کرے۔ برسات کے موسم میں جب اودی اودی اور کالی کالی گھٹائیں
آسمان پر آتیں سبزہ کا فرش مخمل چاروں طرف بچھ جاتا سبز سبز پودے اور خوشرنگ پھول ہر طرف
کھلتے تو میر صاحب کی بیوی اپنے سارے کنبے محلے کو لیکر سید باغ میں جاتیں پردہ کا انتظام تنا

معمول کہ بارہ برس کا بچہ بھی اندر داخل نہ ہو، لذائذ قدرت سے حظ اٹھانیکا اہتمام یہ کچھ آموں کے ٹوکرے جامنوں کی جھلیاں اور دودھ کے کڑھاؤ حوض کے کنارے رکھدیئے جاتے کڑاہیاں چڑھ جاتیں جھولے پڑجاتے جس وقت بیوی اپنی نند کو لیکر جھولے میں بیٹھتیں اور میراثنیں لہک لہک کر گاتیں

مہارانی! کوڑیاں کھول رس کی بونداں پڑیں
کھول بھوجیا۔ کوڑیاں کہ رس کی بونداں پڑیں
میری بھاوج، کوڑیاں، رس کی بونداں پڑیں

تو ایک ماما کشتی لیکر سامنے آتی اور بیوی اپنے ہاتھ سے خوان پوش اٹھا کر سرخ چادر جوڑہ نند کو اڑھاتیں۔ یہ وہ وقت تھے کہ بہنیں ساون منانے بھائیوں کے ہاں آتی تھیں سسرال کا ایک ایک دن انکو ایک ایک سال ہوجاتا تھا اور جب خدا خدا کر کے یہ زمانہ آتا تھا تو بھائی کے ہاں پہنچتی تھیں جھولے جھولتی تھیں۔ نیگ لیتی تھیں اور بہن بھائیوں کی وہ محبت ہوتی تھی جسکا اب نام و نشان بھی نظر نہیں آتا۔ یہی ہے وہ رسم جسکو امیر خسرو ان الفاظ میں ادا کر گئے ہیں۔

نیم کی نبولی پکی ساون کبھی کبھی آوے ہی گا
جیوے میری ماں کا جایا ڈولی بھیج بلاوے ہی گا

جھولا جھول کر کپڑے بدل بدلا بیوی سب کو لیکر کھانا کھانے بیٹھیں پکوان اترتے بادل جھوم جھوم کر آتے اور برستے گھٹائیں گھر گھر کر اٹھتیں اور مینہ پڑتا، بیوی نند کے آگے خاطر مدارات میں بچھی جاتیں اور مہمان کی تواضع میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتیں! اسی حالت میں دور سے موذن کی آواز خدائے واحد کی توحید کا ڈنکا بجاتی اور کہتی نیک دنیا والو اب نیک عاقبت کا بھی ذکر کرو۔ سب وضو کرتے نمازیں پڑھتے اور اس خدا کا شکر ادا کرتے جس نے بخیر و خوبی انکو یہ دن اور یہ وقت دکھایا۔

(۲)

جب میر حسن نے بنجر زندگی کا سایہ اس خاندان سے اٹھا، لوگو بیوی کے پاس بیٹھے اور بیٹیاں بیٹے اور پوتیاں نواسے نواسیاں سب موجود تھے، مگر شوہر کی موت نے آنکھوں میں دنیا

اندھیر کردی۔ لوگ سمجھاتے تو کہتیں بس اب جینے کا مزہ نہیں، خدا عزت آبرو سے اُٹھالے
ارمان یہ تھا کہ مرنیوالے اپنے ہاتھ سے زمین کا پیوند کرتے۔ بیٹیں آئی تھی چارپائی نکلتی۔ مگر
اللہ کو منظور نہ ہوا۔ اب یہ ارمان ہے کہ اُنکی پائینتی پڑی رہوں، نیچے جیئیں اُنکی ہزاری عمر ہو۔ مگر
خدا مجھکو ان کا محتاج نہ کرے۔ سائیں راج بلند راج۔ پوت لعل محتاج راج۔ میں دس برس میں
کے لئے بلکتا کیا جانوں۔ خدا اُنکو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے سب عیش کروا گئے۔ ان
ہاتھوں میں ہزاروں آئے اور گئے۔ اب اللہ رکھے گھر والیاں آگئیں لیں اور اُٹھائیں یہ لوٹ اور
گڑگڑیاں اور ایک۔ ہمارے ہیرے تو فرشتوں نے بھی نہیں دیکھے۔ غضب خدا کا فقیر کے دروازے پر آنے
کا حکم نہیں۔ یہ خیرۃ الافقیر دو کوس میٹھے کنوئیں سے اس جاڑے پالے اور اندھیرے گھپ میں
ٹھوکریں کھاتا آتا تھا۔ میں کیا اسے خزانہ دیدیتی تھی۔ بڈھا پھونس بارہ مہینے کا بیمار دو روٹیاں
اور تھوڑا سا سالن سرا دیا، ایک وہ تھے کہ اگر بیمار پڑ جاتا تو خود جا کر پوچھتے تھے کہ سائیں کل
کیوں نہیں آئے، ایک یہ جنے ہیں کہ غریب نے صدا دی اور انہوں نے جا کر کہدیا خبردار آئندہ
نہ آنا۔ محنت کرو اور کھاؤ۔ بھلا بوا آنکھوں سے معذور دو قدم چلے تو کم بخت کا سانس
اُکھڑ جائے، اب اس کے کمانے کے دن ہیں۔ میں تو اسی دن سے کہہ رہی ہوں کہ ساس ری
میں تجھکو کہوں بہوری تو کان رکھ۔ آج بہن کے فقیر اور باپ کے سائیں کو کہا۔ کل مجھے کہدینگے
تو کیا کرلوں گی۔ یہ گئی اور یہ بہن خالی جانے والے تھوڑی ہیں بہوئیں ماشاء اللہ وہ نورٌ
علیٰ نور، کہو کمبخت جنم نہ دیکھا بوریا اور سپنے آئی کھاٹ تو یہ تھیٹر اور تماشے کیا جانے۔ کبھی
تیری اماں خالہ نے دادی نانی نے بھی دیکھے تھے یا تو ہی انوکھی عورت بنی ہے۔ دن بھر ناول ہیں اور
کتابیں ہیں۔ بیوی پڑھنے کا شوق ہے تو شوق سے پڑھو آنکھیں سکھ کلیجہ ٹھنڈک۔ قرآن پڑھو۔ حدیثیں پڑھو
یہ بھی کوئی پڑھنا ہے کہ نماز کے نام تو موت اور گھر کی صفائی کا مضمون چھپا چھپ پڑھا جا رہا ہے
نا بی ہم نے بہو بیٹیوں کے یہ ڈھنگ نہیں دیکھے۔ مگر اس بیچاری کا کیا قصور بچھڑا تار کھونٹے کے
بل۔ جب خود بدولت ہی نماز سے بیزار ہو جائیں تو وہ کس گنتی میں۔ تم نے بھی یہ اندھیر کہیں دیکھا

صبح سے شام تک سارا گہر ترقی پکارتا پھرتا ہی اور ایک وقت کی نماز نہیں پڑہتا۔ ارے بہوٗ آخر ہم بھی تو سنیں وہ ترقی ہی کیا بلا جو نماز کو گناہ اور روزے کو حرام کردے، پرسوں مس صاحب کی دعوت تھی۔ دعوت کیا ایک مصیبت تھی۔ بیسوں قسم کی مٹھائیاں اور سینکڑوں وضع کی ترکاریاں، میں بھی آخر بچہ نہیں ہوں۔ سو روپے سے کم نہ اُٹھے ہوں گے۔ اس پر چیخ پکار یہ ہی کہ قوم مر رہی ہی، بٹیا اگر قوم مر رہی ہی تو یہ روپیہ قوم ہی کو دیا ہوتا۔ یتیم بچے ہیں رانڈیں بیویاں، اپاہج فقیر ہیں ان کو دیتے تو دین اور دنیا دونوں میں اچھے، وہ الفتی اتنا کچھ ڈکار گئی۔ حاصل دین نہ حاصل دنیا۔ میں تو اب فقط جلنے کو رہ گئی ہوں اتنا کہا تھا بیٹی چادر دیکھہ کے پاؤں پہیلاؤ۔ کراے آنے میں بارہ دن پڑے ہیں نہ ہوگا تو کس سے بھیک مانگوگی ارے بیوی میں تو کہکر چپ رہو گئی وہ دونوں میاں بیوی میری جان کو آگئے۔ بس لو اب تو یہ دعا کرو کہ اللہ انجام بخیر کرے

(۳)

اپنی اماں کی ہو یا میری جائز اطاعت کے واسطے تمکو عذر نہ کرنا چاہئیے لیکن والدین کا ناجائز حکم اگر اولاد ٹالدے تو یقیناً وہ گنہگار نہیں ہی۔ اماجان اگلے زمانہ کی آدمی وہ آج کل کی ضرورتوں کو سمجھہ کیا خاک سکتی ہیں، پرانے خواب دیکھہ رہی ہیں، اور وہی لکیر کی فقیر ہیں۔ تمکو مس صاحب کی پارٹی میں ضرور شریک ہونا چاہئیے۔ وہاں بیسیوں بیویوں سے ملوگی۔ معقول باتیں علمی چرچے ہوں گے۔ تبادلۂ خیالات ہوگا۔ جاؤ ضرور جاؤ۔ وہ مطلق ان باتوں کو نہیں سمجھہ سکتیں۔ اور اپنی طرح سب کو جاہل رکہنا چاہتی ہیں۔

مشرف جہاں۔ مجھے تو ان سے ڈر ہی لگ رہا ہی۔ تم انکو سمجھا لو تو میں چلی جاؤں سنا نہیں ہو کیسی فضیحتیاں کر رہی ہیں۔ ایک سر گوندہنے پر سارا گہر سر پر اٹھا لیا کہ یہ عیسائیوں کے سے بال بنائے ہیں۔ میں اکیلی کس طرح چلی جاؤں۔ اکرم تو ورنہ کر خون کردیگی۔

میرا چہن۔ تم اس کو شوق سے لیجاؤ۔ اس کو روکنا اس کے ساتھ دشمنی ہی وہاں جائے گی بیسوں باتیں کان میں پڑیں گی انگریزی رنگ ڈہنگ سیکھے گی دنیا میں رہنا آئیگا اس

دنیا میں اگلے زمانہ کی سیدھی سادی عورتوں کا رہنا مشکل ہے۔ آج کل کے شوہر تعلیم یافتہ بیوی پسند کرتے ہیں۔ ہم اماں کی وجہ سے اپنی بچی کی زندگی برباد نہیں کر سکتے، تم طیار ہو جاؤ میں ڈولیاں منگواتا ہوں۔

کہاروں نے آواز دی ماں بیٹیاں کپڑے بدل طیار ہوئیں تو ماں نے بیٹے سے آکر کہا اچھن میاں تمکو ہماری زندگی مہینہ ہی بھر میں دوبھر ہو گئی۔ ابھی تمہارے باپ کا کفن بھی میلا نہیں ہوا کہ تم ماں کی صورت سے متنفر اور عادتوں سے بیزار ہو گئے۔ دیکھو بخار میں پھلا رہی اور پرسوں صبح کی پاؤ روٹی کھائے ہوئے ہوں، تم میرے محتاج نہیں، گھر والے اور اللہ رکھے سب قابل ہو، مگر میرے بڑھے جونڈے کو کورے استرے سے نہ مونڈو۔ میں یا دو دن نہ جیوں گی، اور کچھ دن کی ہوا کھا رہی ہوں۔ مجھ کو زمین میں گاڑ کر جو جی چاہو نہ کرنا میں نے بالوں پر اعتراض نہیں کیا شوق سے بنواؤ۔ خدا تم دونوں کو خوش و خرم رکھے۔ صرف اتنا کہا تھا اور اب بھی کہتی ہوں کہ یہ ستہ ٹھیک نہیں اس کا انجام اچھا نہ ہوگا، تم مجھ پر رحم کرو میں منت سے کہتی ہوں میری زندگی تلخ نہ کرو، اور خدا کے واسطے مجھے یہ دن نہ دکھاؤ کہ میری آنکھوں کے سامنے بہو اور پوتی دونوں کی دونوں اکیلیاں پرائے جلسہ میں چلی جائیں۔

اچھن (ہنسکر) اماں جان آپ بھی کیا باتیں کرتی ہیں۔ اکیلی جانے کو کیا ہے، وہاں کوئی ہوا بیٹھا ہے جو کھا جائیگا۔ موت اور زندگی خدا کے ہاتھ ہے۔ میں کیوں آپکا مرنا چاہونگا آپ زمانہ کو دیکھئے اور زمانہ کی رفتار کو دیکھئے اسکے یہ معنی ہیں کہ آپ یہ چاہتی ہیں، کہ آپکے بعد ہماری زندگیاں برباد ہو جائیں، اور اکرم کو کوئی ترکت جڑے، آپ جا کر لیٹئے اور اس معاملہ میں نہ بولئے۔ یہ دونو شام تک آجائیں گی۔

ماں ۔ میری عاجزی کا یہی جواب ہونا چاہیئے تھا۔ شاباش بیٹا شاباش، بس دب چکی دیکھوں تو سہی تو کس کا بچہ ہے کہ ان دونوں کو بھیجدے، خدا کی قسم اچھن اگر یہ دونو وہاں گئیں تو آج ہی ماں کا جنازہ اس صحن میں دیکھ لیجیو۔ غضب خدا کا کنواری بچی جس کا پلہ اس وقت تک

کسی نے نہ دیکھا آج کھلے خزانے عیسائیوں میں جائے منہ پر ہاتھ پھیر کر دیکھ ناک ہی یا کٹی
بیٹے کا ارمان اسی دن کو کرتے ہیں۔ بہوئیں اسی واسطے آتی ہیں کہ بزرگوں کی آبرو اور بڑوں کی
آن بان پر پانی پھیر دیں، تیری ہستی کیا ہی اور تو بکتا کیا ہی، تو سید نہیں چمار ہی۔ تیری حمیت
غارت ہو گئی۔ تیری حیا رخصت ہوئی یہ معصوم سیدانی کنواری ہی اس کو پرائے گھر جانا
اور دوسرا اور لینا ہی۔ اس کی موتی سی آبرو میری زندگی تک تیرے ہاتھ میں نہیں ہی۔ خون
پانی ایک کر دونگی۔ اور خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں اس بھولی چڑیا پر اپنا خون قربان کر دونگی
تو بیوی کا مختار ہی بسم اللہ کر جلسوں میں بھیج یا بازار میں نچوا۔ کہیں تو ساس سسروں کی
اور کاٹی تو اماں باوا کی۔ جائے ایک دفعہ نہیں سو دفعہ لپنے بزرگوں کا نام روشن کرنے
مگر اس کے ساتھ تو میری عزت ہی کمبخت ان رگوں میں میرا خون دوڑ رہا ہی۔ اس کی آبرو پہ
ایک حرف تمام خاندان کو برباد کر دیگا اور ایراقی سیدوں کی آبرو جس کے طفیل میں
ٹکڑا ل رہا ہی دم بھر میں تباہ ہو جائے گی۔

دونو میاں بیوی پہلے بڑھ چڑھ کر بول رہے تھے مگر سیدانی کا جلال ایسا ویسا نہ تھا
غصہ میں تھر تھر کانپ رہی تھی۔ منہ سے جھاگ اور آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا پوتی کا
ہاتھ گھسیٹ اپنے دالان میں آگئی، اور خاموش لیٹ گئی۔

مرے اس بہو کی ماں جو ساس کے سامنے تو در کنار ساس کے پیچھے بھی ایک حرف
زبان سے نکالا ہو، میاں نے بیوی کو اور بیوی نے میاں کو دیکھا، مگر نہ وہ کچھ بولا
نہ وہ، احسن اٹھ باہر چلدیا، اور بیوی بیٹھ سینے پرونے لگیں۔

(۴)

بیٹی میری حالت روز بروز نہیں لمحہ بہ لمحہ خراب ہو رہی ہی۔ احسن پرسوں شکار کو گیا
کھڑے کھڑے میرے پاس آیا تھا، میں کچھ کہنا چاہتی تھی نہ ٹھہرا چلا گیا۔ میرا آخری
وقت ہی زندہ رہتی تو اکرم کو اپنے ہاتھ سے دلہن بناتی اور جو کچھ تار تنکا پاس تھا اس کو

دیدیتی۔ مگر اب جینے کی امید نہیں۔ لو یہ کنجیاں لو۔ صندوقچہ کا زیور تمہارا دیکھا ہوا ہے
مگر چھالیہ کی تھیلی میں سو اشرفیاں پوٹلی میں بندھی رکھی ہیں یہ میری امانت ہے خبردار خیانت
نہ کرنا بچی کا دان ہے، بے ایمان نہ بننا۔ اور نکاح کے وقت میری طرف سے زیور بنوا دینا۔ ایک
طرف میں اشرفیاں رضیہ کے بچوں کی ہیں انکو دے دینا۔

مشرف جہاں۔ آپ کیا فرما رہی ہیں۔ خدا آپ کو اپنے ہاتھ سے اس کو دلہن بنانا
نصیب کرے، اماں جان بیماریاں کیا ہوتی نہیں آپ ایسی نا امید کیوں ہوگئیں۔ اللہ شفا دیگا۔

ساس ارے بیٹی یہ دھوکے دھوپ میں نہیں کئے۔ اب چلتیوں کا پہرا ہے، گھر کی مالک ہوتی ہو
ہزار برس کی ہو تم، سادات آج تمہاری بنیاد پر کھڑا ہے اس کی لاج رکھنا، اور یاد رکھنا کہ چاہے
کچھ ہی گذر جائے، مگر گھر کے بھرم میں فرق نہ آئے۔ بچی تمہاری دہلیز پر ہے اور دو چار برس کی
مہمان ہے، یہ تمہارے نزدیک کچھ نہ ہو مگر بھولنا مت کہ میر کلن کی آبرو جنکی ہڈیاں تک گل کر آٹا
ہوگئیں، آج اس کے ساتھ ہے ان کی نام لیوا اب یہ بچی ہے جو تمہارے سپرد ہے، اور جس کی
مالک تم ہو۔ دیکھو میرا سانس بگڑ رہا ہے صاحب اولاد ہو بتاؤ میری آنکھیں اس وقت کیا
ڈھونڈ رہی ہیں۔ یہ میری زندگی کی آخری گھڑیاں ہیں۔ دنیا اور دنیا کی مصیبتیں ختم ہوتی
ہیں۔ اس تمام عمر میں صرف ایک چیز تھی جس کو اپنا سمجھا جس سے بہت کچھ امیدیں تھیں
کیا بتاؤں وہ کون تھا۔ وہ میاں اچھن تھے جو ماں کو مرض الموت میں چھوڑ ٹھکانے کو چلے
گئے، دل تڑپ رہا ہے آنکھیں ترس رہی ہیں مگر اس لال کی آواز کان میں نہیں آتی یہاں ہنستی
ہوئی یہ تم بولتا ہوا یہ روح کھلتی ہوئی اور یہ سانس چلتا ہوا رخصت ہوتا۔ اگر بہو بیگم ......

اس کے بعد مریضہ کی زبان بند ہوگئی، مگر آنکھیں کھلی ہیں۔ ہاتھ پاؤں پھر بھی کچھ نہ کچھ
کام کر رہے تھے، اشارے سے پوتی کو پاس بلایا کلیجے سے لگایا، اور ہٹا دیا، کچھ سوچا آنکھیں
بند کیں، مسکرائی زور زور سے خالی ہاتھ گلے سے لگائے۔

یہ عالم خیال میں اچھن کی صورت تھی۔ اسی طرح کچھ دیر تک ٹٹولتی رہی اور پھر آنکھ کھولی ہو کو

اپنے پاس بلا کر بٹھایا، اور کہا۔

ما۔ بیوی مجھ پر رحم کرا ور میرے لال کی صورت مجھے دکھادے۔

مشرف۔ اماجان وہ تو ابھی آئے نہیں۔

ما۔ کیا وقت ہی یہ کون چیخ رہا ہی۔

مشرف۔ رات آدھی گزر گئی، چوکیدار بول رہے ہیں۔

ما۔ دنیا اس وقت کو نہیں بھول سکتی، وہ ماں جس نے اپنی ساری بہاریں ماتما پر قربان کر دیں، جس نے تکلیف کو تکلیف نہ سمجھا جس نے راتیں گنوا کر دن گزار کر ایک ننھی سی جان کو جوان دیکھا آج مرتے وقت دم واپسیں اس چاند سے چہرے کو پھڑک رہی ہی اس لمحہ کی قیمت جب اچھن میرے کلیجے سے چمٹا ہو ساری دنیا بھی نہیں ہو سکتی ہی مشرف خدارا اُٹھ اچھن کو بُلا، میرا دم سینہ میں اٹک رہا ہی۔ ما یہیں تک پہنچی تھی کہ اکرم نے باپ کی تصویر دادی کو دکھائی، بیتاب ہو کر پیار کیا، کلیجہ سے لگایا اور ایک چیخ مار کر کہنے لگی "اچھن میاں خدا حافظ"

روح نے عالم بالا کو پرواز کیا، اور اس طرح مرنے والی کا وہ ارمان کہ شوہر کی پائنتی جا پڑوں چند مہینے کے اندر پورا ہو گیا۔

(۵)

کیا بتاؤں بس زندگی تو ان لوگوں کی ہی۔ کمرہ منہ سے بول رہا تھا۔ ہر چیز قرینہ سے رکھی سلیقہ سے سجی، لباس واہ واہ۔ گوٹا نہیں ٹھپا نہیں۔ سیدھا سادہ دھوبی کا دھلا دھلایا مگر سبحان اللہ۔ کوٹھی کیا تھی جنت تھی۔ میں نے بھی اس عمر میں بیسیوں ہی بیویاں دیکھیں غریب بھی اور امیر بھی مگر ایسا مزاج تو دیکھا نہ سُنا۔ اور احاطہ میں گھستے ہی آنکھوں میں طراوت آتی ہی۔ پھول کھلے ہوئے، گلاب مہکا ہوا بیلیں چڑھی ہوئی۔ مدرسہ کا یہ حال کہ چونہ گچی کی عمارت۔ میزیں کرسیاں استانیاں مامائیں کس کس کی تعریف کروں لڑکیاں تھیں تو کوئی پچیس ایک

مگر جو تھی ایسی سیدھی سدائی کہ دیکھکر جی خوش ہوتا تھا۔ کیا مجال جو پرندہ پر مار جائے، چپراسی ایک عورت تھی، اُستانی جو پڑہا رہی تھیں تھیں تو عیسائی۔ مگر ہم جیسی مسلمانیں اُن پر قربان کیسی ہنس خلق کہ آدمی کا اُٹھنے کو جی نہ چاہئے یہ حال ہی جب اُن لوگوں کو خدا نے یہ کچھ عزت دے رکھی ہی۔

میاں سات برس اماجان کی بدولت یونہی برباد ہو گئے۔ خیر اب بھی کچھ نہیں گیا تم کل جاکر اس بچی کو تو داخل کرا آؤ۔ میں پرسوں تمہاری مس پرسوڈیل سے خود ملا تھا، سب باتیں طے کر آیا ہوں ہر طرح کی اُنہوں نے حامی بھر لی ہی۔ میں تو خود ہی مجبور تھا۔ بلا سے تین چار برس میں کچھہ تو سیکھہ جائیگی۔

بیوی۔ ہاں نیت شب بخیر انشاءاللہ کل داخل کرا آؤنگی۔ کتابیں وہیں سے ملجائیں گی۔ اُن کے دام بھی دیدونگی اور فیس داخلہ بھی۔

میاں۔ میں نے مس صاحب سے یہ بھی کہدیا ہی کہ ہماری بچی کو انجیل نہ پڑہائی جائے۔ اور اُنہوں نے وعدہ بھی کر لیا ہی، تم بھی تاکید کر دینا۔

بیوی۔ نوج انجیل کیوں پڑہنے لگی۔ میں آپ اُن سے بات چیت کر لونگی۔ خدا نہ کرے انجیل کیوں پڑہانے لگیں۔

(۶)

اچھن میاں خدا گواہ ہی اگر میں اس غرض سے آئی ہوں کہ باپ کے دو ڈہائی سو کے کرائے یا ماں کے زیور اور جائداد میں اپنا ترکہ مانگوں۔ میرا خدا دیکھتا ہی۔ اگر میری یہ نیت ہو کہ میں تم پر کسی قسم کا دباؤ ڈال کر یا اپنا حق جتا کر کچھ وصول کروں۔ جب تک میرا وقت بنا ہوا اور زمانہ مجھہ سے موافق تھا، جو کچھ میرے ہاتھ پاؤں سے ہو سکا اس روپے میں سے جو میرے خدا نے مجھکو عطا فرمایا میں حیثیت کے موافق عزیزوں کے ساتھ سلوک کرتی رہی۔ تمہارے بیاہ میں ابا جان کا ہاتھ تنگ تھا اور وہ چڑہاوے کے لئے پریشان تھے۔ میں نے یہ جہالے جواب تمہاری بیوی پہنے بیٹھی ہیں واللہ انکو نصیب کرے۔ باپ کے رنج اور تمہاری خوشی پر قربان

کر دیئے۔ جب میرا وارث اٹھ گیا، اور جس دم سے میں بیگم بنی بیٹھی تھی وہی نہ رہا، تو میری صاحبی ختم ہوئی۔ پھر بھی مجھ پر جو گزری میں نے گزار لی۔ مگر میرا منہ نہیں کہ خدا کا شکر ادا کر سکوں اس وقت تک ایک کونے میں دونوں معصوموں کو چھاتی سے لگائے عزت آبرو سے بیٹھی ہوں۔ کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ در در کی ٹھوکریں نہیں کھائیں میں یہ نہیں کہتی کہ مجھ پر کیا گزری۔ مجھے شکایت نہیں کہ تم نے اماں باوا کے بعد میری بات نہ پوچھی، خدا تمہاری عمر دراز کرے تمہارے دم سے میکے کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ میں تمہارے رحم و کرم کی ملتجی، اور عنایت و شفقت کی خواستگار ہوں میرا بچہ بیمار ہے اس کے سینہ میں ناسور ہے۔ اور آج تین مہینے سے میرا تمام اثاثہ حکیموں ڈاکٹروں اور دوائیوں ہنڈائیوں پر اٹھ رہا ہے میرا زیور ختم ہوا، روپیہ ہو چکا اور اب میرے پاس اتنا نہیں کہ گھر جا کر ڈولی کا کرایہ دیدوں اگر تم اسوقت اماں جان کی اشرفیاں جو تمہارے پاس امانت ہیں مجھکو دیدو تو میں ان مصیبتوں سے بچ جاؤں مجھے اب اپنے بچے سے زیادہ اور کیا رہ گیا ہے۔ اگر خدا کو اسی بہانہ سے اس کی جان بچانی ہے تو مجھکا آپریشن کرا لینا چاہیئے۔ میں یہ سمجھونگی کہ اچھن نے روپیہ اپنے پاس سے دیا۔ بدنصیب ہوں بنکر بگڑی اور بس کر اجڑی۔ خوشی خوشی چلی جاؤنگی۔ دعائیں دونگی پھولو گے پھلو گے۔ بھیا رحم کرو مجھے آئے ہوئے بہت دیر ہو گئی۔ بیمار بچہ چھوڑ کر آئی ہوں، راہ دیکھ رہا ہوگا اور رو رہا ہوگا۔

بھائی۔ آپا مجھے تمہارے روپے سے انکار نہیں۔ بیشک تمہاری امانت کا میں ذمہ دار ہوں صرف اتنا قصوروار ہوں کہ وہ روپیہ میرے پاس صرف ہو گیا انشاء اللہ پہلی تاریخ کو شوق سے اپنا روپیہ لے جاؤ۔

بہن۔ تم نے میری ضرورت کو غور سے نہیں سنا میری جان نکل رہی ہے، میرا دم فنا ہو رہا ہے مجھے پہلی اور دوسری سے کیا واسطہ میرا بچہ پھوڑے میں تڑپ رہا ہے۔ تم کچھ تو مجھے اسوقت دیدو کہ میں آپریشن کرا لوں۔

بھائی۔ تم مجھے جھوٹا سمجھتی ہو، دیکھ رہی ہو کہ میں نوکروں کے لئے باہر کا کمرہ بنوا رہا ہوں

شام کو ساٹھ روپے کی مدد باندھنی ہے۔ اور پیسہ پاس نہیں۔ مجھے آخر دینا ہی ہے جب نہ دیتا اب دے دیتا۔ مگر کیا کروں مجبور ہوں۔ اس وقت تو معاف کرو۔ اگر ایسی ہی ضرورت ہو تو پہلی کو انشاء اللہ منگوا لینا۔

بہن اچھن میرے کلیجہ کو لگی ہوئی ہے۔ میں اپنی کوشش میں کمی نہ کرونگی لیکن اتنا سمجھ لینا کہ جس وقت یہ خبر شہر میں مشہور ہوگی کہ میر کلن کا نواسا اور اچھن کا بھانجا خیراتی ہسپتال میں مارے مارے پڑا ہے تو یہ عزت جو بنا رہے ہو سب بگڑ جائے گی۔ اچھا ڈولی منگوا دو میں جاتی ہوں۔

رضیہ ڈولی میں بیٹھی تو امید کی خوشیاں جنہوں نے بچہ کی صحت کا یقین دلا دیا تھا ختم ہو چکی تھیں سوچنے لگی کہ اللہ غنی دنیا اسی کا نام ہے جو بہن ۲۰ ہزار کا ترکہ چھوڑ بیٹھی اس کو بیس روپے بھی بھائی سے نہ دیئے گئے۔ پھر گئی اور خیال کیا کہ اسی ڈولی میں بچے کو لئے ہسپتال چلی جاؤں۔ مگر پھوٹی کوڑی پاس نہ تھی۔ خدا کا شکر کیا اور بیٹھ گئی۔

(۷)

اچھن کی حالت طریقہ رہائش اور بود و باش میں اگر صرف اتنی تبدیلی ہوتی کہ دری چاندنی کی بجائے میز کرسیاں، حقہ کے بدلے سگرٹ اور پانی کے عوض سوڈا، تو حاشا و کلا ہم کو ہرگز ہرگز شکایت کا موقعہ نہ تھا۔ مگر رونا اس کا ہے کہ جب تک ماما چار کی تین پیالیاں اور ہاف بوائل انڈے نہ دے دیتی تو اللہ کے بندے بچھونے سے نہ اٹھتے۔ غسل اور وضو کس کا کلی تک کرنی نصیب نہ ہوتی اور وہی رات کا باسی منھ نماز کے وقت چلنے لگتا۔ آٹھ بجے کے قریب ڈولی آتی اور اکرم جہاں مدرسہ چلی جاتی۔ گیارہ بجے کے قریب کھانا کھانے آتی اور پھر چلی گئی۔ اب کی گئی گئی پڑھائی ٹینس بیڈمنٹن سے فارغ ہو ہوا کبھی سات بجے کبھی آٹھ بجے آتی تینوں کے کمرے الگ الگ مقرر ہو گئے تھے۔ میاں بیوی کے کمرے تو قریب قریب مشترک تھے۔ مگر اکرم کے کمرے کا یہ انتظام اچھن نے خاص طور پر کر دیا تھا کہ اس کی بلا اجازت

نہ خود ادھر جاتا نہ کسی اور کا جانا جائز رکھتا۔ اس کی ڈاک جس میں کل سہیلیوں کے خطوط اور اخبار رسالے ہوتے باہر ہی کے باہر اس کے ہاتھ پہنچ جاتی۔ کھانا ایک وقت دیسی ہوتا ایک وقت انگریزی مگر باوجود ان سب باتوں کے اس انقلاب کے ایام ابتدائی میں بھی دیکھا گیا ہے کہ عشا کی نماز بلاناغہ تو نہیں مگر کبھی کبھی مشرف نے توڑ ہی ہی، یہ سب کچھ دودھ کا اثر تھا یا کچھ ماں کی صحبت کا نتیجہ، مگر آگے چل کر تو نماز روزہ کس کا وہ مسلمان کے نام سے شرماتی تھی۔ ہاں جلسوں میں نماز پڑھنے کے واسطے سب سے آگے اور سب سے پہلے تیار ہو جاتی

(۸)

ابا جان! میری زندگی ہی تھی جو میں بچ گئی۔ پندرہ دن ایسے گزرے ہیں مس صاحب کی کوٹھی کیا تھی میں تو یہ سمجھتی تھی بہشت میں پہنچ گئی کیسی شفقت تھی اماں جان بھی اتنا خیال نہیں کر سکتیں نماز کے وقت آتی تھیں تھرمامیٹر لگایا نسخہ لکھا۔ دوا پلائی اور چلی گئیں۔ آٹھ بجے اپنے ساتھ آیا کو لے کر پھر آئیں۔ انڈے چار دودھ چینی زبردستی اس محبت سے پلاتیں کہ عمر بھر احسان نہ بھولوں گی دس بجے پھر دوا دیتیں۔ بارہ بجے اپنے ساتھ کھانا کھلاتیں۔ نام کو تو ایک روپیہ روز کا تھا مگر دس روپے بھی ہم روزانہ اٹھائیں تو یہ آرام نصیب نہیں ہو سکتا۔ شام کو کوٹھی کے احاطے میں ساتھ لیکر ٹہلتیں گرمی سردی کا اتنا خیال رکھتیں کہ ذرا ٹھنڈ ہوئی اور انھوں نے گرم کپڑا پہنایا، اس گھر میں تو قیامت تک اچھی نہیں ہوتی بھلا وہ کھلی ہوئی ہوا یہاں کہاں مجھے تو یہ جیل خانہ معلوم ہو رہا ہے گلی میں گھستے ہی وہ بدبو آئی کہ خدا کی پناہ تعجب ہوتا ہے کہ اگلے زمانہ میں لوگ کس طرح زندہ رہ سکتے تھے۔ یہ تنگ گھر اور میلی کوٹھریاں جہاں اول تو ہوا کا گزر ہی نہیں اور ہے بھی تو میلی کچیلی گندی خراب اس ہوا سے تو تندرست آدمی بیمار پڑ جائے۔ بیمار تو خاک اچھا ہوگا جب ہی تو پہلے کثرت اموات کا یہ حال تھا کہ عورتیں دھڑا دھڑ اس لیے مرتی تھیں کہ تازی ہوا ان کے لئے قطعی حرام تھی۔

میری اچھی خدا نے تمہاری جان بچالی سب کچھ بھر پایا۔ تمہارا بھیجا ہوا مہینہ کا کمرہ وہی

اور اپنی ذرا احتیاط کرنا کہ ہوا نہ لگنے پائے۔

اکرم۔ اب تو جناب مجھے امتحان کی پڑی ہوئی ہے۔ پانچویں کو امتحان ہے۔ آج پہلی تو ہو ہی گئی تین انعام ہیں۔ اللہ کرے اب کے تو میں انعام لاؤں پہلے انعام میں تو ایسا خوبصورت رومال ہے کہ آپ دیکھیں تو کہیں کہ دنیا میں کیا کیا چیزیں ہوتی ہیں۔ دوسرے انعام میں دو جلد بندھی ہوئی کڑھی ہوئی کتابیں تیسرے میں چاقو اور پنسل۔

میر اچھی بہن۔ امتحان کس کس مضمون کا ہے۔

اکرم۔ عقل کی باتیں۔ اردو خوشخطی۔

میر اچھی بہن۔ خط تو تمہارا ماشاءاللہ اب بہت اچھا ہو گیا ہے۔ بنا بنا کر لکھو گی تو ضرور پاس ہو گی۔ اردو تم پڑھ ہی سکتی ہو، اور فراٹے سے پڑھتی ہو، عقل کی باتیں ایک آٹھ صفحے کی کتاب ہے گھنٹہ بھر میں حفظ ہو گی۔ لاؤ جن باتوں پر میں نشان کر دوں انکو یاد کر لو۔ وہی دیکھ لینا امتحان میں آئیں گی۔

اکرم۔ انعام لانا کونسی بڑی بات ہے۔ محنت کی ضرورت ہے۔

(۹)

تم نے اپنے گنوں سے کنبہ بھر کی ناک کاٹ دی۔ تمہاری آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں جو کسی طرح نہیں اُٹھتے۔ گھر کی اور تم نے کھوئی۔ بزرگوں کا وقر تم نے برباد کیا۔ ماں باپ کی ناک تم نے کٹوائی۔ اسلام کی شان تم نے کھوئی جس زمین پر سات پشت سے خدا اور رسول کا کلمہ پڑھا جاتا تھا وہاں آج تمہارے راج میں ساگ کے گیت گائے جا رہے ہیں۔ تمہاری صورت پر لعنت، تمہارے چہرہ پر پھٹکار، تمہاری حالت پر افسوس، یہ مسلمان کا گھر ہے۔ جہاں مہینوں اور برسوں خدا کو سجدہ نہیں ہوتا۔ تعلیم کا مضائقہ نہیں، میل جول پر تعجب نہیں، ترقی کی کوشش جائز اور اصلاح کی دھن درست چشم ما روشن دل ما شاد لیکن مذہب سے نفرت، خدا سے علیحدگی، رسول سے گریز یہ بھی اور ترقی کا دعویٰ! اجی دونو جہان سے گئے، خسر الدنیا والآخرہ میں عہد کیا تھا کہ انشاءاللہ

عمر بھر بھائی کی صورت دیکھونگی، ابا کے ساتھ اماں بھی مرگیا، مرجاتی اور اس گھر کا رُخ نہ کرتی - مگر اس بڑھیا کی مصیبت لے آئی - آنکھیں کھولکر دیکھو یہ کون ہے - یہ غیر ہے مگر اپنوں سے بہتر - یہ رشتہ دار نہیں مگر ماں باپ سے بڑھ کر، اس نے ظالم تجھکو مجھکو رضیہ کو تینوں کو کھلایا - اس نے تیرے چچا اور باپ کو دودھ پلایا - ان کے شجر زندگی کو خون جگر سے سینچا اس کی مامتا نہ تھی - مگر اس نے اپنی عنایت سے، اس کو لگی نہ تھی لیکن اس نے اپنی شفقت سے تجھپر احسان فراموش تجھپر میٹھی نیندیں قربان کیں - اس کی قدر کرنے والے مرگئے، مگر یہ بدنصیب اس دن کو زندہ رہ گئی تھی کہ جب تجھ جیسا ناہنجار جو اس کی گود میں ٹِلوا تھا جوان ہو جائے تو اس کو گھر سے نکالدے - اس کے حق کو غارت کردے - اس کی عنایت پھونکدے - اس کی محبت کو آگ لگا - یہ اب بھی تیری خدمت کر رہی ہے - مگر اس لئے کہ بیمار کو ایک وقت نماز میں دیر ہوگئی تونے گھر سے نکالدیا - اور تنخواہ ضبط کرلی - رضیہ تیری بہن ہے - رانڈ ہے مصیبت زدہ ہے - اس نے تجھ سے گڑ گڑا کر ترکہ نہیں - ورثہ نہیں، اپنی ماں کی امانت مانگی - اس کا بچہ مر رہا تھا - اس کی آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی، اس کے آنسو تیرے سامنے گرے - مگر تیرا پتھر دل نہ پسیجا - تونے اسکا، میرا - دونوں کا حصہ دبا لیا مگر دیکھ اپا نے اُف نہ کی - مگر یہ مظلوم ہے اس کا دل نہ دکھا، اس کی آہ کا تیر کلیجہ کو گودیگا - غارت اور برباد ہو جائیگا - اٹھ اس کی تنخواہ دیدے نہیں ہے تو مجھ سے لے اور دے - اس سے معافی مانگ اس کی صورت دیکھ کیا کہہ رہی ہے - اس کے آنسو آنسو نہیں - دکھے ہوئے دل کی فریاد ہے - آ بہن اس کے کلیجے سے لگ جا - اس نے دکھ اٹھا کر آج کے دن کو سکھ نہ دیئے تھے - اگر تونے اپنی التجا سے یہ آنسو خشک نہ کئے تو لکھ لے تیری دین دنیا، تیرا گھر بار، تیرے بیوی بچے، تیری عزت آبرو، تیرا مال متاع سب خاک میں ملجائے گا -

(۱۰)

امید تو خدا کی ذات سے یہی ہے - کہ میں انشاءاللہ امتحان میں پاس ہی نہیں - انعام بھی لاؤں گی - آپ پرچے دیکھ لیجئے - سوال بھی کچھ ایسے مشکل نہ تھے -

باپ - اچھا پڑھو - اور ہر سوال کا جواب سناتی جاؤ -

اکرم - لیجئے پہلے عقل کی باتوں والا پرچہ پڑھ لیجے -
سوال - عقل کی چار باتیں لکھو - جو الگ الگ صفحہ کی ہو -
دیکھئے - میں نے اس کے یہ جواب لکھے ہیں -
۱ - خداوند کے حضور میں حاضر ہونے کے لئے ظاہری صفائی سے کچھ نہیں ہوتا جب تک دل صاف نہ ہو -
۲ - بہت سے جادوگر دنیا میں ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے شعبدوں سے لوگوں کو دھوکے میں ڈالا - اور بعض نے نبوت کا دعویٰ کیا -
۳ - جن لوگوں نے تلوار کے زور سے یا لوٹ مار کے بھروسہ پر اپنے دعوے منوائے اُن کا مذہب پائیدار نہیں -
۴ - مرنے کے بعد اے خداوند تیرے باغوں میں وہ آرام کریں گے جنہوں نے دنیا میں تیری پرستش کی -
باپ - بہت ٹھیک چاروں باتیں تم نے خوب لکھیں یہ تمہاری کتاب میں موجود ہیں اور تم اس میں اول نمبر پاس ہو گی - اب دوسرا پرچہ سناؤ کاہے کا ہے -
اکرم - دوسرا پرچہ اردو کا ہے - اس میں دو سوال تھے - زہرہ کی بابت تم کیا جانتی ہو پاربتی کیسی عورت تھی - پاربتی کے حالات اچھی طرح یاد نہ تھے - ہاں زہرہ کے حالات میں نے خوب لکھے ہیں - اور سچی بات یہ ہے کہ مجھے اس کے بیان سے ہمدردی ہے کہئے تو کچھ سناؤں -
باپ - ہاں ضرور -
اکرم - اس کا قصہ تو بڑا ہے - مگر جو کچھ لکھ آئی ہوں اس کا خلاصہ آپ کو سنائے دیتی ہوں سنئے زہرہ شمالی ہندوستان کے ایک مشہور تاجر کی لڑکی نہایت خوبصورت اور سلیقہ شعار تھی جب وہ پانچ سال کی ہوئی تو ماں باپ کو اس کی تعلیم کا فکر ہوا - پڑوس میں ایک اندھی استانی رہتی تھیں جن کے ٹوٹے پھوٹے گھر میں میلے کچیلے ٹاٹ پر محلہ کی چار پانچ لڑکیاں پڑھا کرتی تھیں ایک

لڑکی کو کھجلی کا مرض تھا۔ زہرہ یہاں بٹھادی گئی۔ مہینہ ہی بھر میں وہ بیمار پڑگئی۔ اور کھجلی لگ گئی۔ ماباپ نے بہت علاج کئے۔ مگر کوئی صورت فائدہ کی نظر نہ آئی بپٹسٹ مشن کی استانی مس اسلم مسیح جو دن رات انسانی خدمت میں مصروف رہتی تھیں پھرتی پھراتی یہاں بھی پہنچیں۔ اور مرض کی تہ کو سمجھکر لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے گئیں۔ ماں باپ انکے احسانات کے بہت ممنون تھے۔ ڈاکٹرنی صاحبہ نے جو مشن کی تعلیم یافتہ تھیں باوجود مرض متعدی ہونے کے اپنی تکلیف کی پرواہ نہ کی اور تندہی سے علاج شروع کردیا۔ زہرہ تھوڑے روز میں اچھی ہوگئی۔ اب وہ مشن میں بٹھادی گئی جہاں اس نے نہایت شوق اور محنت سے تعلیم حاصل کی وہ امتحانوں میں ہمیشہ اول پاس ہوئی اور اپنی غربت اور خوش خلقی سے اس نے بڑی مس صاحبہ کے دل کو ایسا فتح کیا کہ وہ ہر وقت اس کو اپنے پاس رکھتیں جب اس کی شادی کا وقت آیا تو مس صاحبہ نے نہایت تزک احتشام سے اس کو مشن سے رخصت کیا اور وداع کے روز اسکو نہایت قیمتی نصیحتیں کیں۔ افسوس اسکا ہے کہ ایسی خوبصورت تعلیم یافتہ لڑکی جس سے بہت کچھ امیدیں ملک کو تھیں دنیا میں خوش نہ رہ سکی اسکا شوہر چونکہ مسلمان تھا اس نے ایک اور بیوی بھی کی یہ صدمہ زہرہ کے دل پر ایسا بیٹھا کہ وہ زیادہ زندہ نہ رہ سکی اور نامراد و ناشاد دنیا سے اٹھ گئی۔

باپ۔ تمہارا پاس ہونا یقینی ہے اور ضرور تم کو انعام ملیگا۔ دوسرا پرچہ کس مضمون کا تھا۔

اکرم۔ خوشخطی، وہ ان ہی دو پرچوں کی تحریر سے دیکھی جائے گی۔

باپ۔ بس اب تم بے فکر ہوگئیں۔ کے روز کی چھٹیاں ہوئیں۔

اکرم۔ اسکول ایک ہفتہ کے واسطے بند ہوگیا۔ مگر آج شام کو مس صاحبہ سب لڑکیوں کو لیکر آؤٹنگ کو جائیں گی۔ ٹینس آج نہ ہوگا۔ ہاں کل ایک میچ ہے۔ وہ دیکھنے کے قابل ہوگا خدا کرے ہم لوگ جیتیں۔

(۱۱)

"کل جمعہ کو کرسمس ڈے کی خوشی میں مس پرسویٹڈیا میرے غریب خانہ پر چاء نوش

فرمائیں گی۔ آپ سے درخواست ہے کہ براہ عنایت ۲½ بجے تشریف لا کر اس پارٹی میں شریک ہو
اور ہماری عزت افزائی فرمائیں۔" "مشرف جہاں بیگم"

مس صاحبہ کی تشریف آوری اور پارٹی کی خوشی میں دو ماں بیٹیوں اور تیسرے میر صاحب کو رات
بھر نیند نہ آئی۔ علی الصباح تینوں اُٹھ بیٹھے ماں بیٹیاں اندر کے اور میر صاحب باہر کے انتظام
میں مصروف ہوئے، دو بجے سے پہلے ڈرائینگ روم سج سجا کر طیار ہو گیا رنگ رنگ کے پھول قسم
قسم کے گملے طرح طرح کی بیلیں کمرہ کی رونق بڑھا رہی تھیں۔ دروازہ پر ویلکم سرخ قند پر خوبصورتی
سے لگایا گیا اور تین بجے سے ڈولیاں اُترنی شروع ہو گئیں۔ وقت مقررہ پر مس صاحب تشریف
لائیں، اور کھانا پینا شروع ہو گیا۔ دو ہی منٹ گذرے ہوں گے کہ ایک بیوی میلا سا برقعہ
اوڑھے گھر میں داخل ہوئیں۔ اکرم سمجھی کوئی ماما ہے گر وہ نیکبخت برقعہ اوڑھے ہی اوڑھے کھونسڑا
جوتیوں سے سپڑ سپڑ کرکے آگے آئیں اور اندر پہنچکر زور سے سلام علیک کہکر کرسی گھسیٹ
اس پر بیٹھ گئیں۔ کرسی اس طرح واقع ہوئی تھی کہ بیچ میں برقعہ والی سیدھے ہاتھ پر اکرم اور
اُلٹی طرف مس صاحب۔ ان بیوی کو دیکھکر جلسہ کی خوشی اور مس صاحب کی فرحت سب
بھول بھلا اکرم زمین میں گڑ گئی۔ دو چار لمحہ بھی نہ گذرے ہوں گے کہ کہنے لگی۔ آپکے برقعہ میں
سے بُو آرہی ہے اس کو اُتار دیجئے۔

برقعہ والی۔ تمہارے اس گردن کے پٹے میں سے بساند آرہی ہے اس کو نہیں اتار کر
پھینکدیتیں۔

اکرم۔ آپ اِدھر آکر اس کرسی پر بیٹھ جائیے۔ مس صاحب کے پاس سے ہٹ آئیے۔

برقعہ والی۔ ان ہی کو کیوں نہ ہٹا دو۔

اکرم۔ ممکن ہے کہ مس صاحب کو آپ کا بیٹھنا ناگوار ہو۔

برقعہ والی۔ اور مجھے ہی کب ان کا بیٹھنا پسند ہے۔

اکرم۔ آپ اپنی حیثیت پر نظر ڈالئے۔

برقعہ والی۔ تم اپنی صورت پر غور کرو۔

اکرم۔ آپ کو کس نے بلایا۔

برقعہ والی۔ مشرف جہاں بے غیرت نے۔

اکرم۔ آپ کا نام۔

برقعہ والی۔ آپ کو اس سے کیا کام۔

اکرم۔ آپ نے آج کا جلسہ منغض کر دیا۔

برقعہ والی۔ تم نے گھر بلا کر میری سخت توہین کی۔

مشرف۔ بوا فضل النسا تم میرے پاس آجاؤ۔

فضل النسا۔ نہیں بوا میں گھر جاتی ہوں میں تو کہیں نکلتی ہی نہیں۔ جب سے کارخانہ میں آگ لگی سب جگہ کا آنا جانا ہی چھوڑ دیا۔ تم کو دیکھے آٹھ نو برس ہو گئے تھے۔ تمہارا رقعہ گیا چلی آئی۔ تقدیر کی بے عزتی تھی اتنی بیویوں میں ہو گئی۔

طیش میں آکر اٹھتی تھیں کہ برقعہ پاؤں میں اٹکا اور دھڑام سے مس صاحبہ پر گریں اور اس زور سے ٹکر ہوئی کہ مس صاحب بھی سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

اکرم۔ دیکھئے مس صاحب کے کیسی چوٹ آئی۔

فضل۔ ان کے کیا خاک لگی۔ لگی میرے ہے کہ سر جھنجھنا گیا، بجلی سی چمک گئی۔ وہ تو سی کر کے چپ ہو گئیں یہاں موت کا مزہ آگیا۔

فضل النسا کا گرنا تھا کہ کتا جو مس صاحب کے پاؤں میں لیٹا تھا بھونکتا ہوا اٹھا کتے کا بھونکنا تھا کہ فضل النسا چیخ مار کر پیچھے ہٹی اور اس زور سے میز پر گریں کہ ٹانگیں مس صاحب کے منہ پر اور برتن نیچے۔

(۱۲)

قدرت نے مرد اور عورت دونوں کو برابر پیدا کیا۔ پیدائش کے وقت جو دو ہاتھ پاؤں

جو آنکھ ناک لڑکے کے ہوتی ہے وہی لڑکی کے۔ مگر مردوں کا ظلم اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ اُنہوں نے عورت کو عضو معطل بنا کر گھر میں قید کر دیا، گویا یہ خوبصورت منظر اور قدرت کی دستکاری صرف مردوں ہی کے واسطے ہے۔ عورت کا اس کو دیکھنا حرام ہے۔ وہ صرف اِسی لئے بنائی گئی ہے کہ مرد کی نگرانی میں رہے۔ اسکی روٹی پکائے اور گھر کے کام دھندوں میں مصروف رہے۔

مشرف جہاں۔ بیٹی۔ ایک تمہارے ابا ایسے نیک ہو گئے کہ ہم آزاد پھریں اور وہ اُف نہ کریں۔ باقی سارے جہان کے مرد کیوں بیچاری عورتوں پر رحم کرنے لگے۔ اپنے ابا ہی کو دیکھ لو ساری دنیا میں نکّو بن گئے ہیں۔ مرد تو یہ چاہتے ہیں کہ عورتوں پر نت نئے ظلم توڑیں اور یہ ہوں تک نہ کریں۔ تمہارے دادا ایسے نیک مشہور تھے مگر تمہاری دادی کی اتنی مجال نہ تھی کہ دو قدم تو ان سے بے پوچھے چلی جائیں۔

اکرم۔ اماں جان ذرا اس پھول کو تو دیکھو واہ واہ کیا تیری قدرت ہے۔ پانچ رنگ ہیں لال میں کالا۔ کالے میں سفید اور یہ دیکھئے سفید میں لال اور لال میں چمپئی۔

مشرف جہاں۔ سبحان اللہ کس کس چیز کو دیکھکر دل خوش کریں۔ سامنے دیکھو شفق پھول رہی ہے۔ بادلوں پر کیا رنگ چھایا ہے۔ واہ واہ۔

اکرم۔ اماں جان کیا دادی اماں بھی کبھی سیر کو نہیں جاتی تھیں اور ہمیشہ قید ہی میں رہیں

مشرف۔ ہاں تمہارے دادا پردہ کے اتنے پابند تھے کہ میرا تو جی گھبرا جاتا تھا۔ وہ تو یہ پچر لگاتے تھے کہ عورت کی نظر بھی مرد پر نہ پڑے، ڈولی کے پردے پر ایک اور چادر لپیٹی جاتی تھی اور کہیں آنا جانا ہوتا تھا تو جانا کیسا ایک مصیبت ہوتی تھی۔

اکرم۔ دادی اماں بارہ مہینے بیمار رہتی ہونگی۔ لیجئے دوس صاحب بھی آگئیں۔

دل مشرف جہاں بیگم۔ آپنے یہ پارک ملاحظہ فرمایا کیسی اچھی جگہ ہے۔ آپ ضرور شام کے وقت روزانہ یہاں آیا کیجئے۔ آپ کو سانس کا مرض صرف آپ کے ہر وقت گھٹے رہنے سے ہوا۔ اگر آپ روز تازی ہوا کھائیں تو بہت جلد آپ کو آرام ہو جائیگا۔

مشرف جہاں۔ میں ضرور انشاء اللہ آؤنگی۔

مس صاحب۔ آپ منہ پر نقاب ڈال لیجئے۔ ہمارا خانساماں آرہا ہی گھبرائیے نہیں وہ یہاں تک نہیں آسکتا۔ اس کو حکم ہے کہ جب کوئی لڑکی ہمارے ساتھ ہو تو وہ دور سے بات کرے

مشرف۔ یہ آپ کا بہت اچھا انتظام ہی۔

(۱۴)

میرا جیمن کی چھوٹی بہن رضیہ رانڈ تو کبھی کی ہو چکی تھی۔ جب بچی کی نکر سے بھی سبکدوش ہوئی اور لڑکا سیانا ہو گیا تو پہاڑ سی جوانی کا کاٹنا قیامت تھا۔ سوچتی تھی کہ عزت موتی کی سی آب ہی۔ گھر پر کوئی سر دہرا نہیں۔ بھائی اس لائق نہیں۔ بہن پرائے گھر کی خلق کا حلق بند نہیں کر سکتی۔ دوست دشمن سب ہی ہیں۔ اگر کسی نے کچھ کہہ سن دیا تو کسی کا کیا کر لونگی۔ شہر کا تو یہ حال ہی کہ نکلی ہونٹوں چڑھی کوٹھوں۔ کس کس کا منہ کیلونگی۔ روپیہ پیسہ تو گیا ہی گذرا ہوا۔ ہاں یہ تھوڑی بہت باپ دادا کی عزت موجود ہی کہیں میرے طفیل اس پر حرف نہ آجائے، بس اب یہی مناسب ہے کہ بچہ کو ساتھ لے کعبتہ اللہ چلی جاؤں اور بقیہ عمر دیار حبیب میں گذار دوں۔ غیر جگہ ہوگی۔ اجنبی لوگ ہوں گے، کوئی جان نہیں پہچان نہیں۔ ہاتھ پاؤں چلاؤنگی اور پیٹ پالونگی۔ بلا سے اس ہر وقت کے کھٹکے سے تو بچونگی۔ رات کو اکیلی سوتی ہوں طرح طرح کے وہم دلمیں آتے ہیں محلہ والے اللہ بخشے ان ہی کے سامنے سے جان کے دشمن ہو رہے ہیں۔ اگر کچھ ظلم کر بیٹھے تو کیا کروں گی۔ دنیا کا کیا ہی جو سنے گی وہ کہیگی۔ تھالی گری جھنکار ہوئی کیا خبر بھری تھی یا خالی۔ بس اب یہی مناسب ہے کہ وطن کو خیرباد کہوں اور کعبتہ اللہ کو روانہ ہو جاؤں روپیہ کا فکر ہی۔ بھائی سے تو امید ہی کیا خاک ہی اللہ اس کی عمر دراز کرے پیسہ پیسہ کے شربت کو ترسی اور شہر کے شہر میں کبھی جھوٹوں آکر نہ پوچھا کہ میا جائی تو جیتی ہی یا مرتی۔ ہاں آپا جان سے کہوں ثواب کا کام ہے۔ باپ دادا کی لاج اور بہن کی عزت بچانے کا اس سے بہتر موقع اور کونسا ہو گا۔ دنیا تو خیر اچھی یا بری جیسی گزری

شکر ہے اس مالک کا۔ جس حال میں رکھا خوب رکھا۔ مگر عاقبت تو اچھی گذر جائیگی۔ خیال نے
ارادے کی صورت اختیار کی اور ارادہ تھوڑی دیر میں مصمم ہوگیا۔ دن بھی مناسب تھے عید کا
مہینہ تھا۔ سیدھی اُٹھ بہن کے ہاں گئیں اور ساری رام کہانی جا سنائی۔ بہن رشتہ اور عمر ہی
میں بڑی نہ تھی عقل اور سمجھ میں رکھ رکھاؤ میں بات چیت میں ملنے جلنے میں باپ کے نام زندہ اور
خاندانی جوہر روشن کر رہی تھی۔ جس دن سے ماں مری اور جس وقت سے بہن رانڈ ہوئی آجتک سینہ سے
لگائے رہی۔ جیسا موقع ہوا اور جیسی ضرورت پیش آئی ہر طرح بہن کے ساتھ لگی لپٹی رہی۔ اس وقت
جو بہن نے اپنی داستان مصیبت سنائی اور ہجرت کا خیال ظاہر کیا تو اس کی بیکسی پر دل بھر آیا۔
رونے لگی۔ اور کہا بہن جو کچھ کہے سچ ہے اچھن اس قابل ہوتا تو رونا ہی کیا تھا۔ مگر خدا نے اس کی
مت ہی اُلٹ دی اتنا بھی نہ سوچا کہ ان بہنوں نے ترکہ ورثہ سب پر لعنت بھیجی۔ لاؤ میٹھی بات
سے بات تو کر لوں اس سے تو اب توقع ہی فضول ہے۔ میں جس طرح کہو حاضر ہوں اماجان
کے حج کا روپیہ میرے پاس رکھا ہے تم شوق سے لو اور چلی جاؤ۔ مگر رفیعہ پردیس میں اکیلی رہ کر
کس طرح زندگی گزاروگی۔ لاکھ گھر سے دور ہوگی۔ مگر پھر بھی ہر سال ہزاروں آدمی شہر سے
آتے جاتے ہیں۔ کیا خبر کوئی کیا کہدے اور باپ دادا کی جس عزت کو کلیجہ سے لگائے ابتک
بیٹھی ہو اس پر دھبہ نہ پڑ جائے۔ پرسوں میں حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی
فرما رہے تھے۔ شہر میں مشنریوں کا بہت زور ہوگیا ہے۔ خدا نے انکو بہت روپیہ دیا ہے۔ اپنے کام کر رہے
ہیں۔ گھروں میں عورتیں اور باہر مرد چھوٹے ہوئے ہیں۔ باتوں ہی باتوں میں اپنے مذہب کا رنگ چڑھانا
ان کا مقصد ہے۔ جہاں جیسا موقع دیکھتے ہیں ویسا کام کرتے ہیں۔ غریبوں کو روپیہ کی مار دیا
فقیروں کو روٹیاں کھلائیں۔ بیماروں کی تیمارداری امیروں کی نازبرداری۔ غرض کسی طرح
اپنا مطلب پورا کرلیں سینکڑوں کم بخت دنیا کے اسی چکر میں پڑ کر مذہب کو سلام کر بیٹھے
ہیں۔ اور مسلمانوں کی اولاد آج نماز کے وقت شرک اور کفر کے کلمے پڑھ رہی ہے۔ اس وقت
اشد ضرورت ہے کہ مسلمان پڑھی لکھی بیویاں سب کاموں کو چھوڑ کر ادھر توجہ کریں، اور دیکھیں کہ

دوسرے ان کے ساتھ کیا کر رہی ہیں! اخباروں میں آئے دن یہ قصے دیکھ لو۔ عدالتوں میں ہر روز نت نئے مقدمے سن لو۔ مرد اس معاملہ میں بے گناہ ہیں اور عورتیں جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کر رہی ہیں میدان حشر میں ضرور پکڑی جائیں گی کہ ایسی مصیبت کے وقت اور نازک موقعہ پر انہوں نے اپنی بہنوں امت محمدیہ کو غیروں کے چنگل سے نہ بچایا۔ تعلیم نسواں کی ضرورت روز بروز مسلم ہوتی ہی اور جبتک مدرسوں کے معقول انتظام ہوں، پڑھی لکھی بیویوں کا فرض ہی کہ وہ اپنے محلہ کی لڑکیوں کو شر نیز سے بچائیں، جو اس ضرورت کو پورا کرنے کی آڑ میں اپنی اصلی ضرورتیں پوری کر رہی ہیں۔ یہ خیال یقیناً لغو اور لچر ہی کہ مسلمان ان مدرسوں کو چھوڑ کر پھر بھی اپنی لڑکیوں کو وہیں بھیجیں گے۔ کیونکہ مسلمان استانیاں اتنی قابل اور پڑھی لکھی نہیں ہوتیں جتنی مشن کی۔ اس لئے جو لوگ زیادہ تعلیم کے خواہشمند ہیں ایسے مدرسوں کو معمولی مکتب سمجھکر اس طرف ملتفت نہ ہونگے۔ مگر تجربہ آجتک یہی بتا رہا ہی کہ جو ایسی خواہش رکھتے ہیں وہ عقل سے کام نہیں لیتے۔ اس وقت قوم میں جو بہتر سے بہتر پڑھی لکھی بیوی ہیں وہ بھی صرف اتنی ہی نکلیں گی، کہ اخبار اور رسالہ پڑھ لیں اور ٹوٹا پھوٹا خط لکھ لیں۔ اگر ساری قوم میں دس بیس یا سو پچاس اس سے زیادہ ہوئیں تو ان کا ذکر فضول ہی۔ ایسی حالت میں جو مشن کی تعلیم کا نتیجہ ہی اور بظاہر اس سے زیادہ نتیجہ کے اس وقت لوگ خواہشمند ہی نہیں ہیں کیونکہ ڈگری یافتہ لڑکیاں تو عام طور پر موجودہ مشن سے میسر آتی ہیں نہ انکی ضرورت ہی، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان ایسے مدارس کو جہاں انکے پاک مذہب کی بھی انکی ضرورت کے ساتھ ہی تلقین ہو نظر انداز کر دیں اور اس تعلیم سے اس تعلیم کو افضل سمجھیں جہاں تعلیم تو اتنی ہی ہو مگر وہاں مذہب کی طرف سے لاپروائی۔ پردہ ہی پردہ میں پیدا کی جائے۔ مسلمان بیویاں جو پڑھی لکھی ہیں اس کی جواب دہ ہونگی۔ انکو کبھی نہ کبھی خدا کو بھی منہ دکھانا ہی۔ اور گو اس وقت انکا یہ کہنا کسر شان ہو کیونکہ وہ ہوشیار سمجھدار اور مالدار ہیں لیکن وہ دل میں ضرور بالضرور شفاعت محمدی کی امید وار ہیں۔ وہ ذرا سمجھیں اور سوچیں کہ انکی یہ امید کہاں تک پوری ہونے کے قابل ہی۔

اُنہوں نے محمد (روحی فداہ) کی اُمت کے ساتھ جو کچھ کیا وہ یہ ہی کہ اُنکی آنکھوں کے سامنے مسلمان لڑکیاں دائرہ اسلام سے نکلیں اور ان کے کانوں پر جوں نہ چلی۔

رضیہ بہن میں نے تو جب سے یہ سُنا ہی میرے تو اوسان اُڑے جا رہے ہیں۔ میں خود بھی عذاب میں مبتلا ہوں گی۔ میرے خیال میں تو تم خدا کے اس کام کا بیڑا اُٹھاؤ۔ حج تم پر فرض نہیں نہ جاؤ گی تو عذاب ہوگا۔ قرآن تم نے پڑھا حدیث کی ایک آدھ کتاب تم نے دیکھی۔ اردو فارسی تم کو آتی ہی۔ حساب تھوڑا بہت تم جانتی ہو اگر اس فیض کو تم جاری کر دو تو اس سے بہتر کام اس وقت تمہارے واسطے کوئی نہیں اس محلہ کی ساری لڑکیاں میں تمہارے پاس بھیجونگی۔ جب تک خدا کوئی سبب پیدا کرے یہی روپیہ جو حج کے لئے رکھا ہی تم اس کام میں صرف کر دو۔ میرا اپنا مکان یہیں سے آگے بڑھ کر خالی پڑا ہی آج ہی ٹھیک کروا دیتی ہوں تم بسم اللہ کرو

رضیہ۔ اگر آپ کی صلاح یہی ہی تو مجھے اس کے ماننے میں کیا عذر ہو سکتا ہی۔ دنیا کی تو مجھے اب کچھ پرواہ ہی نہیں۔ آخرت کا خیال ہی کہ کسی طرح وہاں کی اچھی گذر جائے۔ مجھے تو خدا کی خدمت کرنی ہی۔ کعبۃ اللہ میں نہ کی یہاں کی۔ جب حضرت صاحب نے یہاں تک فرما دیا تو میں ہر طرح حاضر ہوں۔

(۱۴)

اکرم۔ بڑی بی میں آپ کی گفتگو کا مطلب بالکل نہ سمجھ سکی ایسے میری صورت میں کیا لال لگے ہوئے ہیں کہ ایک شخص دیکھتے ہی آپے سے باہر ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہمدردی کیا کر سکتی ہوں۔ اگر وہ بی اے ہیں تو خود معقول آدمی ہوں گے ان کو مجھ سے ایسی توقع نہ رکھنی چاہیئے۔ جو نامعقول ہو۔

بڑھیا بس جیسا وقت کی بات ہی آپ اسی پارک میں ٹہل ہی تھیں اور وہ ادھر سے چلے آتے تھے اُنکی شادی کے پیغام ایک دو نہیں بیسیوں لڑکیوں کی طرف سے خود آ رہے ہیں اور بیوی آئیں کیوں نہیں باپ تحصیلدار بہنوئی ڈپٹی دو ڈھائی لاکھ کی جائداد روپے کی ریل پیل۔ مگر

اس لڑکے نے کہیں ہاں ہی نہ کی۔ اماں کو ارمان ہے کہ اپنے سامنے اس کی دلہن بیاہ لاؤں مگر راضی ہی نہ ہوا۔ جب سے آپ کو دیکھا ہے اس وقت سے یہ حال ہے کہ دیوانوں کی طرح چاروں طرف پھر رہے ہیں۔ میں انکی کھلائی ہوں۔ بیرا۔ خانساماں سب دنگ ہیں کہ یہ کیا ہوا۔ مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ دن میں تین تین پہرے ڈاکٹر کے ہو رہے ہیں۔ میں نے آج اتنا کہا سُنا تو مجھ سے کہنے۔

اکرم۔ ان کو براہ راست میرے والدین سے اس معاملہ میں گفتگو کرنی چاہیے میں کیا کر سکتی ہوں۔ میں اس معاملہ میں اپنی مرضی کی مختار نہیں ہوں۔

بڑھیا۔ وہ یہ کہہ رہے تھے (جب میں نے آج اُن سے بہت کہا کہ میاں تین وقت ہو گئے خدا کے واسطے تم دو ایک نوالے تو کھا لو۔) کہ اتنا ایک دفعہ چاند سی صورت......

اکرم۔ نہیں نہیں یہ بہت نامناسب ہے۔ اس کے علاوہ مس صاحب کبھی اس کو پسند نہیں کرتیں۔ گو انہوں نے ایک دفعہ کورٹ شپ کے متعلق کچھ باتیں بتائی تھیں۔ مگر نہیں نہیں۔ نامناسب۔

بڑھیا۔ مس صاحب میں تو کچھ عرض نہیں کر سکتی۔ اس وقت ایک جان آپکے قبضہ میں ہے۔ آپ چاہے جلائیے یا ماریئے۔ یہ تو میں جانتی ہوں کہ آج کل لڑکوں کی کال ہے۔ لڑکے ملتے ہی نہیں اور پھر ایسا ہیرا آپکے والدین تو فوراً راضی ہو جائیں گے۔ مگر اول تو بہت دن لگیں گے، دوسرے وہ انگریزی طریقہ سے کرنا چاہتے ہیں کہ لڑکا لڑکی اور لڑکی لڑکے کو پسند کرے۔ آپ جس وقت گھر جانے لگیں صرف لمحہ بھر کیلئے......

اکرم۔ میں اسکا وعدہ نہیں کر سکتی۔ ذرا مجھے اس معاملہ میں غور کرنیکی مہلت دیجیئے۔

بڑھیا۔ آپ مالک ہیں ایک شخص کی موت اور زندگی آپکے ہاتھ میں ہے اسکو ملاحظہ فرمائیے "مس ایم اچھن! میں خوش ہوں کہ میری تقدیر کا فیصلہ اس شخص کے ہاتھ میں ہے جس کو قدرت نے غیر معمولی حسین ہی نہیں بلکہ زیور تعلیم سے آراستہ کیا۔ اور جس کے پہلو میں ایک

رحیم دل ہو" "فرمانبردار حامد"

اکرم۔ آپ مجھ سے پھر کسی وقت ملیے میں اس وقت کچھ نہیں کر سکتی۔

بڑھیا۔ اگر آپ کسی اکلوتے بچے کی موت روا نہیں رکھتیں تو اتنا رحم کیجیے کہ اپنی تصویر...

اکرم۔ تصویر میری موجود ہو اور مجھے اس کے دینے میں عذر نہیں مگر مجھے اس معاملہ پر غور ضرور کرنے دیجیے۔

بڑھیا۔ مس صاحب خدا کے واسطے ایسی بیتھر نہ بنیے۔ جبتک آپ غور کریں گی اس وقت تک اس بدنصیب کا خاتمہ ہو جائیگا۔ تصویر کے دینے میں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

اکرم۔ ہاں مضائقہ تو نہیں مگر تم اس قدر اصرار کیوں کرتی ہو۔

بڑھیا۔ بیوی جس وقت سے اُس کو دانہ منہ میں نہیں گیا۔ نمعلوم نام بھی کہاں سے معلوم ہوگیا بس ہر وقت مس اکرم کی تسبیح ہے۔ بلا سے تصویر لیجاؤنگی تو اسی بہانے سے کچھ کھلا دونگی۔

اکرم۔ ان لوگوں کی ذات کیا ہے۔

بڑھیا۔ اصل نسل سید۔

اکرم۔ اچھا چلیے میں آپکو اپنی تصویر دیتی ہوں۔

بڑھیا۔ الہٰی بچی دودوں نہائے اور پوتوں پھلے۔ جیتی رہی تو دکھا دونگی۔ پوچھا کریگا۔ لیجیے مجھ سے بھی یہ تصویر لیجیے۔

اکرم۔ میں اس کا کیا کرونگی۔

(۱۵)

رضیہ کا خاندانی اعزاز ایسا تھا کہ شرفا اپنی بیٹیوں کو اس کے پاس بھیجنے میں تامل کرتے شہر میں خبر مشہور ہوئی تھی کہ لڑکیاں آنی شروع ہوگئیں ابتدائی حالت میں مدرسہ کی ترقی اور شہرت کے واسطے جن باتوں کی ضرورت تھی وہ سب رضیہ کی ذات میں موجود تھیں جو بچیاں کلام مجید پڑھنا چاہتیں انکو کلام مجید پڑھاتی جو اردو کی شوقین تھیں انکو اردو

پڑھاتی صبح سے شام تک اسی میں مصروف رہتی ۔ صرف نماز اور کھانے کے واسطے تو البتہ کچھ وقت لے لیتی تھی ۔ ورنہ رات کے گیارہ بجے تک اسی ادھیڑ بن میں لپٹی رہتی رضیہ کی یہ توجہ دیکھکر بعض متمول مسلمان بھی اس کے کاموں میں شریک ہوگئے ۔ اور تعلیم کے وظیفے مقرر کردیئے ۔ مسلمانوں کی حالت عام طور پر جیسی ہے ویسی ہی اس محلہ میں تھی ۔ کھاتے پیتے گھر دو چار ہی تھے ورنہ کوئی مفلس تھا کوئی بیمار کوئی مجبور تھا کوئی لاچار ۔ رضیہ نے غریبوں کے علاوہ ایک یہ بھی خاص اہتمام کیا کہ جس قدر یتیم بچیاں اسکو مل سکتی تھیں اور جنکی بابت احتمال تھا کہ دوسروں کے قبضہ میں نہ پہنچ جائیں انکو اپنی نگرانی میں لیا اور مدرسہ سے ملحق ایک یتیم خانہ قائم کردیا ۔ ان بچیوں کے ساتھ رضیہ اس شفقت اور محبت سے پیش آتی کہ وہ چند ہی روز میں ماباپوں کو بھول گئیں اور سمجھیں کہ خدا نے ایک ماں اور ایک باپ لیکر دونوں کی محبت صرف ایک عورت میں امانت رکھدی ۔ یہ ہمارے واسطے فرشتۂ رحمت ہے جس کی وجہ سے ہماری زندگی سنور گئی ۔

افسوس اس امر کا ہے کہ میر اچھن نے ادہر تو بہن کی یہ کارروائی باعث ننگ و عار سمجھی ، اُدہر اس کی شہرت بھی کچھ ناگوار ہوئی اور ان سب پر طرہ مسن صاحب کی ترغیب تھی کہ انہوں نے صاف کہدیا کہ جب تک آپ لوگ جنکا شہر میں اثر ہے ہم کو مدد نہ دیں ہم کامیاب نہیں ہوسکتے ۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ ان ذلیل مکتبوں کے پھندے سے نکال کر لڑکیوں کو مشن میں بھیجیں ۔

ریاست امیرپور سے بڑے بہنوئی کی تحریک پر یتیم خانے کو ایک معقول وظیفہ کی امید بندھی ہوئی تھی ۔ والی ریاست ایک دیندار مخیر شخص تھا ۔ میر صاحب کا نام سُنکر بہت خوش ہوا ، اور حکم دیا کہ ان کے صاحبزادے میر اچھن کو طلب کرو ۔ میر اچھن پہنچے تو بجائے اس کے کہ مدرسہ کے واسطے کوئی کلمہ خیر کہتے بھانجی ماردی اور کہدیا کہ مدرسہ کیا ایک چھوٹا سا مکتب ہے محلہ کی دو ایک لڑکیاں گھر کے کام دہندوں سے فارغ ہوکر

دس گیارہ بجے چلی جاتی ہیں۔ اصل میں میری بہن رضیہ نے دل بہلانے کا ایک مشغلہ کر رکھا ہے کہ جی نہ گھبرائے۔ مدد کی ضرورت نہیں۔ میں کو کیا ضرورت تھی کہ یہ سنکر زیادہ تگ و دو کرتا۔ خاموش ہو گیا۔ مدرسہ کا خرچ سو روپیہ سے اوپر تھا۔ آمدنی ستر روپے کے قریب تھی۔ جس طرح ہوتا رضیہ اور اس کی بڑی بہن مہینہ پورا کرتیں۔ ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ ظالم اچھن نے تمام امیدوں کا خاتمہ کر دیا، اور ایمان کی بات یہ ہے کہ خبر ہوتی بھی تو کیا کر لیتیں۔ اب تک کیا کر لیا جو آگے کچھ کرتیں، یہ خیال کہ رضیہ کے مدرسے میں وہی ایک تعلیم آم کے سیپارے اور آمدنامہ تک محدود تھی قطعی غلط ہے۔ اس کا مقصد لڑکیوں کی تعلیم سے خذ ما صفا ودع ما کدر تھا۔ لیکن اس کی بڑی کوشش یہ تھی کہ لڑکیاں اس طرح تعلیم سے آراستہ و پیراستہ ہوں کہ ان کا سینہ نور اسلام سے روشن اور زیور اسلام سے جگمگا رہا ہو۔ وہ ایک روز لڑکیوں کو تازہ ہوا کے متعلق سبق دے رہی تھی۔ جس کا خلاصہ یہ تھا۔

اس سے انکار کرنا یقیناً غلطی ہے کہ تازہ ہوا صحت جسمانی کے لئے نہایت ضروری ہے لیکن جیسا کہ تم سن چکی ہو مسلمان عورت کے واسطے پردہ بھی جزو مذہب ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہ ہوں گے، کہ مسلمان عورتیں پردہ کی وجہ سے تازہ ہوا سے قطعاً محروم کر دی گئیں۔ بعض کوتاہ بیں نظر یا اس نتیجہ پر پہنچتی ہیں لیکن یہ انکی صریح غلطی ہے سب سے پہلا خیال اس سلسلہ میں عورت کو صفائی کا ہے۔ اگر اس کا گھر آلائش سے پاک اور گندگی سے محفوظ صاف ستھرا ہوگا تو ظاہر ہے کہ اس گھر کی ہوا خراب ہونے پائے گی، اور اگر گھر کی ہوا خراب ہو گی تو خرابی ہوا کا الزام جو ہمارے گھروں پر رکھا جاتا ہے آسانی سے دور ہو جائیگا یہ سب گھر والیوں کے اختیار میں ہے۔ وہ اگر ہوا کو صاف رکھنا چاہتی ہیں تو مکان کو صاف ستھرا رکھیں اور گندگی سے اس طرح بچائیں کہ ہوا پر اس کا مطلق اثر نہ ہو۔

دوسرا سوال تازہ ہوا کا ہے جس کی آڑ میں بعض نوجوان نہایت بے باکی سے اسلام

پر حملے کر بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کو قید کر کے تازہ ہوا سے محروم کر دیا۔ لیکن خدا کی خدائی وسیع ہے تازہ ہوا صرف اسی جگہ کے واسطے محدود نہیں ہے جہاں مرد ہر وقت چلتے پھرتے اور آتے جاتے رہتے ہوں۔ عورتیں اس مقام پر جہاں مردوں کا گذر نہ ہو شوق سے آئیں جائیں انکو مذہب روکتا ہے نہ عقل۔ مگر اب ایک سوال یہ پیدا ہوگا کہ اگر پردہ نہ ہوتا تو مسلمان عورتیں قدرت کی اس نعمت سے محروم ہو کر گھروں میں اس طرح نہ پڑی رہتیں کہ ان کے اعضا جسمانی معطل ہو جائیں، سب سے پہلے اس سلسلہ میں عورت کے کام کی تقسیم دیکھنی ہوگی۔ اس کے بعد اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس کے کام پر پر تازہ ہوا سے محروم رہنے کا اثر پڑتا ہے تو البتہ معترض کی شکایت درست ہوگی۔ لیکن تجربہ کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہوتا۔ اس کے بعد اس سوال کا جواب یہ ہوگا کہ کیوں ایک عورت انسان ہو کر مناظر قدرت کے مطالعہ سے محروم رہی اور کیوں تازہ ہوا اس پر حرام کر دی گئی۔

میں ابھی کہہ چکی ہوں کہ جہاں مرد نہ ہوں اور پردہ کی پوری احتیاط ہو وہاں عورت کے نے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن پھر بھی یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ مرد با آسانی دو قدم ٹھا کر تازہ ہوا کھا سکتا ہے، اور عورت کے واسطے اس قدر تکلیف کیوں ہے۔ میں اس کے اب میں یہ نہ کہونگی کہ موت وقت مقررہ سے پہلے نہیں آتی۔ بلکہ یہ کہونگی کہ تازہ ہوا اثر انسانی دماغ پر اتنا فوری نہیں ہے کہ اس کے ملنے سے بیمار چاق وچوبند اور نہ ملنے تندرست بیمار ہو جائے، یہ البتہ محض ہوا کے واسطے ضروری ہے۔ جس پر مرد اور ت دونوں کی زندگی کا انحصار ہے، چونکہ پردہ اسلام کا فیصلہ تھا، اور اسلام دین ت ہے اس لئے اس نے وہ چیز جس پر زندگی منحصر تھی دونوں کے واسطے عام کر دی۔ ہوا ازہ ہوا میں صرف وہی فرق ہے جو گھر اور آراستہ گھر میں، اس گھر میں بھی جہاں میز یاں دری چاندنیاں قالین غالیچے نہ ہوں آدمی رہتے ہیں اور اس گھر میں بھی جہاں اور پھول تصویریں اور پنکھے موجود ہوں انسان ہی رہتے ہیں۔ زندگی دونوں کی ہے اس کی

زندگی صرف زندگی ہے اس کی زندگی خوشگوار زندگی ہے۔ عورت کے واسطے سب سے بڑا جوہر اس کی عصمت ہے اور یہ وہ چیز ہے جس پر ملکوں کے خزانے بادشاہوں کی دولت اور تاجداروں کے تاج قربان ہیں۔ اسکو اگر علانیہ مردوں سے میل جول کا موقع نہ دیا گیا کہ اسکا یہ انمول جوہر محفوظ رہے تو قباحت ہے۔ مسلمان باعصمت نامحرم [illegible] عورت سے بدرجہا بہتر ہے۔

(۱۶)

کیوں اماں جان! آپ ہمارے موجودہ نقائص پر اکثر بحث کرتی رہتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اباجان کے خیالات سے آپ کی طبیعت ماشاءاللہ نہایت صاف ہو گئی ہے اور اگر اس طرح ہم سب اپنی خرابیوں اور کمزوریوں کو سمجھنے لگیں تو بہت جلد قوم کی یہ بدتری دور ہو جائے۔ لیکن شادی کے متعلق آپکا خیال کیا ہے۔ آیا مسلمانوں کا موجودہ رویہ آپ کی رائے میں قابل اطمینان ہے یا قابل ترمیم۔ کل مس صاحبہ نے ہماری شادیوں کا بڑا مضحکہ اڑایا۔ انکی رائے میں ایسی شادیاں جنمیں ایک دوسرے سے قطعی اجنبی ہوں کھلی ہوئی خانہ بربادی ہے۔

مشرف جہاں ۔ میرے خیال میں اگر دونوں ایک دوسرے کو پہلے سے دیکھ لیں تو کیا مضائقہ نہیں اور یہ شادیاں تو اندھی کی ٹیر ہے۔ اسی لئے ہمارے ہاں ناموافقت زیادہ ہے۔ کیونکہ بیچ والے تو زمین آسمان کے قلابے ملا کر کسی طرح رضی کر دیتے ہیں مگر جب ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس دلہن کو خوبصورت بتایا جاتا تھا۔ اس کا رنگ سیاہ، لڑکے کو خوبرو کہتے تھے وہ آبنوس کا کندہ ہے۔

اکرم ۔ میں ایک مولوی صاحب کی کتاب اس مضمون پر دیکھ رہی تھی، پڑھا فرماتے ہیں "طرز جدید کی تعلیم نے جہاں مسلمانوں کی تمام خوبیوں پر پانی پھیر دیا۔ شادی پر بھی لوگ منہ آتے ہیں۔ خدا کی شان چونی کہے مجھے گھی سے کھا و جنبہ وہ اسلام کے سیدھے سادے مناسب اور ضروری طریقۂ نکاح کا تمسخر اڑا ئیں کہ مسلمانوں نے اپنی غلطیوں سے جو خرابیاں اس میں پیدا کر لی ہیں، وہ خ

ہیں۔ مگر اسلام ان کا ذمہ دار نہیں۔ کہا جاتا ہی کہ مسلمان زبردستی دو ناواقف آدمیوں کو جو مزاج سے ناآشنا طبیعتوں سے بیخبر صورتوں سے لاعلم، نکاح کی زنجیروں میں جکڑ دیتے ہیں لیکن یہ کہنا بہت ہی مضحکہ انگیز ہی۔ ظاہر ہی کہ اگر دونوں آدمیوں کو جو مرد اور عورت کی صورت میں ہیں موقعہ دیدیا جائے کہ وہ تنہائی میں اپنے معاملہ کو خود ہی طے کرلیں، تو اُن کے جذبات کا دبنا کس قدر مشکل ہوگا، خصوصاً یہ خیال کہ یہ تو میری بیوی بننے ہی کی اور یہ یقین کہ یہ تو میرا شوہر ہونے ہی گا۔ ان کے جذبات کو کتنی ترقی دیگا۔ بدقسمتی سے مسلمان عورت کی عصمت کو دنیا کی ہر چیز سے قیمتی سمجھتے ہیں اور اچھی طرح مانتے ہیں کہ ایک معصوم کنواری لڑکی کا ایک ارمان بھرے دل اور جذبات والے نوجوان کے مکر سے بچنا بہت مشکل ہی۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ایک بھولی بھالی لڑکی اپنے مستقبل کا فیصلہ ہرگز ہرگز ہم سے بہتر نہیں کرسکتی۔ وہ کیا سمجھ سکتی ہی کہ جو کچھ کہا جا رہا ہی کہاں تک درست ہے ایسی حالت میں انہوں نے یہ تمام بار اپنے ذمہ لیا اور حق شرع کو ہرگز ہرگز غصب نہیں کیا بلکہ کوئی نکاح جب تک دونوں میاں بیوی رضامندی کا اظہار نہ کریں ہو نہیں سکتا۔ اس صورت سے علیحدہ ہوکر ایک بے رضامندی کے نکاح کا بار بھی مسلمانوں پر رکھا جاتا ہے ممکن ہے کہ صحیح ہو اور ہم اس کو صحیح مان لیتے ہیں لیکن کسی شخص نے اگر اپنی لڑکی کی مرضی کے خلاف اس کا نکاح اپنے بھتیجے سے کردیا تو عام مسلمانوں یا اسلام کا اس سے واسطہ کیا۔ وہ اگر چوری کرے۔ ڈاکہ ڈالے تو یہ سب اس کے ذاتی فعل ہیں اسلام یا مسلمان اس کے افعال کے ذمہ دار نہیں"۔

اکرم بولی۔ اماں جان سُنا ان مولویوں نے سب سے زیادہ غضب ڈھایا ہی۔ اس تحریر میں کوئی بات بھی آپنے معقول دیکھی۔ کس بُری طرح تو دونوں کو بہنا دیں اور پھر یوں جھوٹی سچی باتیں بنائیں۔

ماں: اے بیٹی ان مولویوں سے خدا بچائے اُنھوں نے ہی تو ہماری مٹی پلید کی کہ ہمکو کسی کرم ہی کا نہ رکھا

اکرم۔ کبھی آپنے شادی کے معاملہ میں ابا جان کے خیالات بھی معلوم کئے کہ وہ کیا فرماتے ہیں
ما۔ کئی دفعہ ذکر آچکا ہے۔ اُن کی بھی یہی رائے ہے کہ میاں بیوی خود ہی ایک دوسرے کو پسند کریں۔

(۱۷)

پیاری بچیوں میں آج جو کچھ تم سے کہنا چاہتی ہوں وہ موجودہ ترقی کے متعلق ہے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ زمانہ بہت کچھ ترقی کر گیا۔ اور زمانہ کے ساتھ لوگ بھی ترقی کر رہے ہیں۔ جہالت رفتہ رفتہ دور ہو رہی ہے۔ علم کی روشنی نے سب کو جگمگا دیا، اور وہ توہمات جو بعض اوقات شرک کی حدود میں داخل ہو جاتے تھے۔ اب بہت کچھ کم ہو گئے ہیں پرانی عورتوں اور اگلی بیویوں کی گھٹی میں جو خیالات پڑ چکے تھے وہ صریح نقصان رساں تھے چونکہ وہ زیور علم سے آراستہ نہ تھیں اس لئے زندگی کے کسی شعبہ میں انکو پوری کامیابی حاصل نہ ہو سکتی تھی، تربیت اولاد ناقص ہوتی تھی۔ گھر میلے کچیلے رہتے تھے۔ لباس ٹھیک نہ ہوتا تھا معاملہ کو اچھی طرح نہ سمجھ سکتی تھیں اور ان تمام باتوں کا کھلا ہوا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ میاں بیوی کی زندگی جیسی خوشگوار ہونی چاہیئے ویسی نہ ہوتی تھی۔ ان کی دنیا صرف گھر کی چاردیواری تک محدود ہوتی تھی۔ گردوپیش سے بےخبر دوسروں کے خیالات سے ناآشنا انکو نہ تنزل قوم سے تعلق ہوتا تھا نہ ترقی سے واسطہ ان کا یقین صرف یہ ہوتا تھا کہ کونوں میں دبکی سکڑی پڑی رہ کر بچی سے جوان اور جوان سے بڑھیا ہو قبر میں پہنچ جائیں۔ لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب ہماری حالتوں میں آسمان زمین کا فرق ہو گیا وہ جہالت جس کے کرشموں نے مدتوں ہمکو پابہ زنجیر رکھا ہم سے دور ہو رہی ہے۔ ہم علم حاصل کر رہی ہیں۔ نئی تہذیب ہمارے گھروں میں داخل ہو چکی ہے۔ تمدن جدید نے ہمارے نقائص رفع کر دیے ہیں۔ اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ سے ہم اپنی تمام قوم کی حالت سے آگاہ ہو رہی ہیں۔ ہم کو معلوم ہو جاتا ہے کہ کہاں اور کس جگہ روپیہ کا صرف ہماری جمعیت نے دہ قوم کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ ہم خیرات

اور زکوٰۃ کے محل و مواقع کو سمجھنے لگے ہیں۔ ہمارے گھران پرانے اور زٹیل گھروں کے مقابلہ میں بہت کچھ سنور گئے ہیں۔ ہماری طبیعتیں ان لغو توہمات سے پاک و صاف ہیں۔ ہمارا لباس مناسب اور آرام دہ ہو گیا ہے۔ ہم بچوں کی تربیت کے ڈھنگ سیکھ گئے ہیں اور یہ گر نئے جو کچھ سیکھتے ہیں وہ ماں کی گود سے سیکھتے ہیں اور جس سے وہ بیچاریاں بالکل ہی بے خبر تھیں۔ ہمکو اچھی طرح معلوم ہو گیا موجودہ تہذیب و تمدن نے ہماری زندگیاں خوشگوار بنا دیں۔ ہم سمجھ گئے کہ عورت کی زندگی کا اصلی مقصد کیا ہے۔ ہم کو پتہ لگ گیا ہے کہ کس طرح ہماری زندگیاں وہ باتیں حاصل کر سکتی ہیں جو زندگی کو وبال جان ہونے کی بجائے دلچسپ اور آرام دہ بنا دیں۔ بچیو! تم نے ہر طرف سے یہ ہی صدا سنی ہو گی۔ جس کا خلاصہ میں نے بیان کیا۔ تم نے شادیوں میں اپنی ہم عمر لڑکیوں سے جلسوں میں پڑھی لکھی بیویوں سے اخبارو میں نامہ نگار بہنوں کی قلموں سے بارہا اس قسم کی باتیں دیکھی اور سنی ہوں گی اور اگر کچھ تعلیم یافتہ لڑکیاں زبان سے ایسی باتیں بھی کریں تو خود انکی حرکات و سکنات انکا طریقہ بود و باش انکا رہنا سہنا غرض انکی زندگی کسی نہ کسی طرح ان خیالات کی تائید کریگی۔ وہ اپنی موجودہ تہذیب پر نازاں اور اس تمدن پر خوش ہیں کہیں یہ وہ جامع ترقی ہے کہیں پرانی لکیر کے فقیر ہیں کہیں مرنے والیاں جاہل اور پھوہڑ اور کہیں اگلی بیویاں بیوقوف اور بے علم۔

مگر میری عزیز بچیو! او پیاری بہنو! اور بیٹیو! یہ دعوے جھوٹے یہ خیال غلط۔ یہ یقین لغو اور یہ نعرے قطعًا فضول ہیں۔ میں آج اس بھرے مجمع میں علی الاعلان کہتی ہوں کہ مرنے والیاں خدا انکو غریق رحمت کرے اسلام کا سچا نمونہ تھیں وہ عورت کی بہترین تصویر ہوتی تھیں۔ وہ بیٹیاں بنکر لونڈیاں بہوئیں بنکر کنیزیں۔ بیوی بنکر فرمانبردار اور گھر والی بنکر ایسی سلیقہ شعار ہوتی تھیں کہ انکی حیات پر ہماری تہذیب ان کے تنزل پر ہماری ترقی سو دفعہ قربان ہزار دفعہ قربان لاکھ دفعہ قربان۔

موجودہ ترقی اگر وہ ترقی کہی یا سمجھی جاتی ہے، تو کھلا ہوا تنزل ہے۔ مذہب جوہر اصلی تھا جس نے ہم جانوروں کو انسان بنایا جس کی بدولت ہم نے دنیا میں راج کیے جس کے طفیل ایک جہان میں ہمارا ڈنکا بجا آج ہم سے رخصت ہو چکا تم میں سے جس کا جی چاہے اپنے گھر پر نظر ڈال لے اور دیکھ لے نماز کی پابند کتنی بیویاں ہیں خود تمہاری حالتیں اس ترقی و تنزل کا جواب دیں گی۔ رمضان المبارک کے مہینے میں اپنی مسلمان بہنوں کے چہرے نہ دیکھے ہوں اب اس غرض سے دیکھنا کہ ترقی کرنیوالی بہنوں نے مذہب کو کہاں تک اپنے دلوں میں جگہ دی یہ کڑکڑاتی سردیاں آج آج پڑتی ہیں یہ ترقی یافتہ بہنوں کو گرم گرم بچھونوں سے نماز فجر کے واسطے نہیں اٹھنے دیتیں نئی نہیں ہیں پہلے بھی پڑتی تھیں، اور یہ چودہ ساڑھے چودہ گھنٹے کا پہاڑ سا دن۔ لو کے جھکڑ اور گرمی کی گھڑیاں جو تعلیم یافتہ بیویوں کو روزے نہیں رکھنے دیتیں نو کچھ نہیں ہیں دنیا ان سردی گرمیوں کو بھگتی آئی ہے اور بھگتی رہیگی۔ میں نے وہ بیویاں دیکھی ہیں دور کیوں جاؤں خود اپنا گھر دیکھا ہے۔ میری ماں میری نانی میری خالائیں پھوپیاں دادی پچاس آدمیوں کا کنبہ تھا وہ سب اس وقت دنیا سے اٹھ چکیں مگر ان کی صورتیں میری آنکھ کے سامنے ہیں۔ جاڑوں میں جب پہر ملا جی صبح کی اذان دیتے تھے تو سارا گھر کلمہ پڑھتا ہوا اٹھ بیٹھتا تھا۔ بارہ سال کے بچے کی مجال نہ تھی کہ جی چرا جائے۔ نماز کے بعد ہمارا فرض تھا کہ ہم ایک ایک پارہ کلام مجید کا پڑھ کر دنیا کے کاموں میں مصروف ہوں رمضان المبارک کا چاند جیسا اب آتا ہے پہلے بھی آتا تھا۔ مگر آٹھ آٹھ دس دس دن پہلے اس کی تیاریاں ہوتی تھیں۔ گھر میں سامان بھر دیئے جاتے تھے۔ افطار کے واسطے جس وقت سامان ہوتا تھا تو وہ لطف آتا تھا کہ اب میسر نہیں۔ چار بجے چولھے سلگتے۔ کڑاہیاں چڑھتیں۔ پکوان پکتے۔ پہلی سینی مسجد میں جاتی اور پھر ہم سب روزہ کھولتے۔ زمانہ کی ترقی نے اپنے ساتھ اپنے لطفوں اور برکتوں کا خاتمہ کر دیا۔ اب وہ سحری کے انتظام ہیں افطار کی

خوشیاں۔ میاں آجیں پڑلاکھ تہذیب جدید کا اثر پڑ گیا انہوں نے کینچلی بدل لی مگر اسی
وقت کا صدقہ ہی کہ آج بھی اس وقت کا کچھ نہ کچھ اثر باقی ہی۔ ہمارے گھر میں دن کا چولہا سلگنا
حرام تھا۔ دودھ پیتے بچوں تک کے لئے رات ہی سے انتظام ہو جاتا تھا۔ چھوٹے بچے وہی رات کا
باسی اور بچا بچایا کھائیں مگر دن کو آگ روشن نہوگی۔ افطار کے وقت جو خوشیاں ہم کو نصیب
ہوئی ہیں اور خدائے برحق نے جو جو نعمتیں اسوقت عطا کی ہیں اس ترقی کی حالت میں وہ سماں
اب خواب میں بھی نظر نہیں آتا۔ اب سال میں ایک عید آتی ہی مگر اس وقت ہر روز عید اور ہر رات
شبرات تھی۔ گھر گھر سب کے الگ الگ آمدنی و خرچ جدا۔ مگر دسترخوان سب کا ایک جس وقت ہم
کھانے سے فارغ ہوکر خدا کا شکر ادا کرتے تھے تو ہمارے دل حقیقی مسرتوں سے لبریز ہو جاتے تھے۔ جو کچھ
خدا ہمکو اپنی عنایت سے دیتا تھا ناممکن تھا کہ اس میں پاک حصہ خدا کا نہ نکلے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہی
کہ ایک موقعہ پر جب اماں جان مسجد میں کھیر بھیج رہی تھیں تو خالو جان نے فرمایا "کہ آج تو لنگڑی
امراؤ جان کے ہاں یہ حصہ بھیجدو۔ ملاجی کو پھر بھیجدینا" اماں جان ہنسیں اور کہا "بھائی جس مسجد کی اذان
کان میں آتی ہی اسکا حق مقدم ہی امراؤ کے ہاں اور حصہ دیدیتی ہوں مگر ملا کا حق کیوں دوں" میری
پیاری بچیوں یاد رکھو اور یاد نہیں لکھ لو اور لکھ کہ رکھو کہ مذہب سے علیحدہ ہو کر کسی وقت اور کسی حال ترقی ممکن نہیں
یہ تو میں نے تمکو ایک چھوٹی سی بات نماز اور روزے کے متعلق بتائی۔ اب تم اور باتوں پہ
بھی نظر ڈالو تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ اس زندگی میں کیا تھا اور اس زندگی میں کیا ہی۔ میں
اب بھی مسلمانوں کے گھر دیکھتی ہوں۔ اور آج سے تیس چالیس برس پہلے کے گھر بھی میں نے
دیکھے ہیں میری عمر اسوقت پچاس کے قریب ہے۔ "وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھا ان نینن کا یہی پریکھ"
میں نے وہ رنگ بھی دیکھے اور یہ ڈھنگ بھی دیکھ رہی ہوں۔ میری رائے میں وہ گھر جنکو
آج جہالت گاہ کہا جاتا ہی نمونہ جنت تھے۔ اور یہ گھر جو رنگ برنگ کے فرش فروش
میز کرسیوں سے آراستہ پیراستہ ہیں ان میں اس آن بان کا کوسوں بھی پتہ نہیں۔
پڑھی لکھی لڑکیاں جو تعلیم یافتہ کہلائی جاتی ہیں اور جو اپنے تئیں پڑھا لکھا سمجھتی

ہیں۔ بارہ مہینے کی بیمار تیس دن کی روگی۔ میں نے تو جس کو دیکھا اٹھیا ہی کٹتی دیکھی
تنخواہ آنے دیر نہیں ہوئی کہ ڈاکٹر کا بل آموجود ہوا۔ مگر اللہ کی بندیاں وہ بھی تو انسان ہوتی
تھیں۔ یہ نہیں کہ وہ بیمار ہوتی ہی نہ تھیں۔ ہوتی تھیں مگر بہت کم۔ اول تو وہ ایسی ویسی بیماری کو
خاطر ہی میں نہ لاتی تھیں۔ معمولی بخار جو آج کل ڈاکٹروں کو پہنچ ملتا ہے ان کے فرائض میں
خارج نہ ہوتا تھا۔ میں نے خود ایک دو دفعہ نہیں بارہا خالہ جان کو دیکھا ہے کہ بخار چڑھا
ہوا ہے اور روٹی پکا رہی ہیں۔ بیماری کا یہ فرق کہ اب عورتیں کئی دن بیمار رہتی
ہیں اور جب کم ہوتی تھیں کیوں ہے اس لئے کہ اب پلنگ سے اٹھنا گناہ اور چولھے
تک جانا حرام۔ دن بھر اور رات بھر کمرے میں بیٹھی آرام کرسی پر پڑی اینڈ رہی ہیں
بہت بڑا کمال کیا کسی جلسہ یا پارٹی میں گاڑی میں بیٹھ چلی گئیں اور چلی آئیں۔ البتہ
نیک بختوں کے دن کے بارہ گھنٹوں میں چھ سات گھنٹے محنت میں گزرتے تھے مفلسی نہیں
غربت نہیں۔ خدا کا دیا سب کچھ ہوتا تھا۔ مامائیں ایک چھوڑ دو دو ہوتی تھیں۔ مگر وہ
ماماؤں کے ساتھ ہر وقت لپٹی رہتی تھیں۔ ماما نے آکر آٹا گوندھا، آپ روٹی ڈال لی۔ وہ گوشت
لائی آپ بگھار لیا۔ یہ کام جو وہ کرتی تھیں ان کی خاصی کسرت ہو جاتی تھی جس سے صحت
بگڑتی نہ تھی۔ میں خود اپنی حالت دیکھتی ہوں کہ کوارپنے میں تیلی کی طرح پھرتی تھی۔ اتنی
بڑی انگنائی کہ سو چارپائیاں بچھ جائیں تو معلوم نہ ہو۔ دالان سے انگنائی تک اور انگنائی سے
باورچی خانہ تک خدا جھوٹ نہ بلوائے تو سینکڑوں ہی پھیرے ہوتے ہونگے مگر کبھی انگلی بھی
نہ دکھی۔ آج یوں ہر طرح تندرست و توانا ہوں کمزور نہیں بیمار نہیں مگر دو قدم چلتی ہوں تو
سانس پھول جاتا ہے۔ وجہ کیا ہے کہ کام کی عادت نہ رہی۔ ہاتھ پاؤں جب تک کام کرتے رہے
چاق و چوبند رہے جب سے چلنا پھرنا اور کام کرنا چھوڑا اسی سے اعضا کمزور ہو گئے تو بیویوں
پہلی عنایت جو تہذیب بیگم اور تمدن صاحب کی بدولت مسلمان شوہروں پر موجودہ بیویوں کی وہ
یہ تھی کہ گاڑھے پسینہ کی کمائی میں ایک کڑ ڈاکٹر صاحبہ کی لگی۔ نام لینا مناسب نہیں سمجھتی مگر منتیں بھر کا

ذکر ہے کہ میں ایک ایسے ہی گھر میں ایک دن کے واسطے گئی خیال یہ تھا کہ رات کو چلی آؤنگی مگر زیادہ اصرار سے ٹھہر گئی۔ اتفاق کی بات ہے کہ ماما صبح کو دیر کرکے آئی۔ بیوی بھی تھیں۔ ماشاءاللہ تین برابر کی بیٹیاں بھی۔ یہ تو کہتی ہیں کہ لے کے آئی ہے کہ رات تک جھاڑو نہیں ملی۔ گھر کیسا برا ہو رہا ہے مگر ایک نیکبخت سے اتنا نہ ہو سکا کہ جھاڑو لے کے دو پیچھے مار دیتی۔ کتاب پڑھتی رہیں اخبار دیکھتی رہیں مضمون لکھتی رہیں مگر جھاڑو ماما ہی آ کر دس بجے کے بعد دی۔ ہمارے ہاں دو ماما ئیں موجود تھیں مگر اللہ بخشے اماجان کو ابا جان صبح کی نماز پڑھ کر آنے نہ پاتے تھے کہ گھر چندن کرکے رکھدیتی تھیں۔ اندھیرے منہ جھاڑو دیتی تھیں اور کسی کے کانوں کان خبر نہ ہوتی تھی۔ ماما ئیں بھی تھیں بہو ئیں بھی اور بیٹیاں بھی۔ مگر آٹھویں دن خود کھڑے ہو کر بھنگن سے پاخانہ دھلواتی تھیں۔ دوپہر کا کھانا کھا رہی اُن کے ہاں سے آئی تھی جب میں ہاتھ دھونے اٹھی اور ماما پانی لائی تو ٹھنڈا برف۔ جب تو وہاں بیوی نے ہاتھ دھوئے تو خفا ہونے لگیں کہ پانی گرم کیوں نہیں کیا۔ میں منہ سے کچھ نہ بولی مگر دل میں ضرور میں نے کہا کہ اگر گھر والیاں نماز کی پابند ہوتیں تو یہ وقت نہ ہوتی۔ ہمارے ہاں ہر وقت پانی کی گھڑیا وضو کے واسطے اولے پر رکھی رہتی تھی جس نے پانی لیا اسی نے بھر دیا تاکہ وضو کے واسطے پانی گرم موجود رہے۔

خدا کی شان ہے یہ بیویاں جنکو خدا سے واسطہ نہ مذہب سے غرض انکی بیویاں پرنانی اور یہ نہ سوچیں کہ جو کچھ تھوڑا بہت بھرم اُن کا موجود ہے یہ اُن ہی مرنیوالیوں کی بدولت۔ ورنہ یہ تو بڑوں کی آن کا خاتمہ کر ہی چکی ہیں۔ ہنسی تو کیا خاک آتی ہے رونے کا وقت ہے کہ جن کے یہ گن ہوں وہ تو قوم کے ہمدرد بنیں اور فلاح قوم کی تجویزیں سوچیں اور جو قابل فخر مائیں زندگی بسر کر گئیں وہ بے خبر اور مطلب خور سمجھی جائیں۔ ہمارے مذہب مقدس نے خیرات کے واسطے جو حکم دیا ہے کہ جس قدر پوشیدہ دوگے اسی قدر ثواب کے مستحق ہوگے۔ بیخبروں کا عمل اسی پر تھا۔ مگر تعلیم یافتہ اس حکم سے بہت پرے ہیں ان کو اگر کچھ دینے کی ضرورت ہوتی بھی ہے تو ایسے موقعوں پر جہاں کافی شہرت اور پورا نام ہو فہرستوں

میں شائع ہو۔ جلسوں میں پکارا جائے۔ مجمع میں اعلان ہو۔ چوتھا روز ہے انجمن ترقی نسواں کا جلسہ ہوا تھا۔ اس دھڑا دھڑی سے بیویوں نے چندے لکھوائے ہیں کہ میں حیران ہو گئی۔ نقد تو صرف دو تین ہی نے دیا۔ باقی خدا معلوم دیں یا نہ دیں اور دیں تو کب دیں۔ مگر جس وقت اُن کے نام پکارے گئے ہیں تو چہرے خوشی کے مارے کھل رہے تھے۔ یہ ہے وہ سچی خیرات جس پر تعلیم یافتہ گروہ پھولا نہیں سماتا اور سمجھتا ہے کہ ان چندوں کی شرکت سے خدائی خزانے جنت کے باغ اور مغفرت کی تحریریں حاصل کرلیں۔ یہ ہے ہماری پڑھی لکھی بیویوں کی خیرات اور تعلیم یافتہ گروہ کی زکوٰۃ اور صدقات۔ میں ابھی حال کا ایک واقعہ سناتی ہوں۔ جس سے تمکو معلوم ہوگا کہ ان اللہ والیوں کی خیرات کیا معنی رکھتی ہے اور زکوٰۃ سے کیا مطلب ہے۔

شہر میں نئی نویلیوں کا جو جھرمٹ ہے اس کی سرتاج ہماری اکرامی بیگم صاحبہ ہیں۔ عمر ماشاءاللہ ادھیڑ مگر سینگ کٹا کر بچھڑوں میں مل گئی ہیں۔ ان ہی کے گھر پر جلسے وغیرہ ہوتے رہتے ہیں۔ انجمن کی بانی وہ ہیں۔ ترقی نسواں کا سرچشمہ وہ تعلیم یافتہ گروہ کی منڈہ وہ اخباروں میں نام اُن کے اشتہاروں میں کام اُن کے وہ قوم کی محبت میں ایسی مستغرق ہوئی ہیں کہ کوئی سانس نعرۂ قوم سے خالی نہیں جاتا۔ جس طرح حافظ کو کلام الٰہی حفظ ہوتا ہے۔ ان بیچاری کو قوم حفظ ہو گئی ہے کہ شب و روز قوم کے سوا اُن کی زبان سے کوئی لفظ نکلتا ہی نہیں۔

صبح کی نماز سے فارغ ہو کر میں کلام اللہ پڑھ رہی تھی اور یہ وہ وقت تھا کہ ہلکی ہلکی ہوا پڑ رہی تھی۔ سردی کے مارے دانت بج رہے تھے اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد بادل گرج جاتا تھا اور بجلی بھی چمکتی تھی۔ دفعتہً ایک بڑھیا بہ مشکل تمام میرے گھر میں داخل ہوئی۔ اس کے جسم پر ایک معمولی زردہ پھٹا پھٹایا کرتہ، پاجامہ تھا۔ سر پر وہ چادر تھی۔ جس میں نون باندھنے کی جگہ نہیں۔ یہ بیمار تھی اور صرف بیمار ہی نہیں اس کی سیدھی ٹانگ میں زخم تھا۔ چلنا قیامت اور بات کرنا مصیبت میں اس کی صورت دیکھ کر دروازہ میں گئی۔ خدا دشمن کو وہ حالت نہ دکھائے۔ سردی کی وجہ سے وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ میں قریب گئی اور اس کی کیفیت

پوچھی تو وہ جواب نہ دے سکی۔ میں اس کو لے کر اندر آئی۔ کمبل اُڑھایا اور چائے پلائی۔ جب اس کے حواس درست ہوئے تو گو اس کو بخار بہت تیز تھا۔ مگر اس نے کہا۔ میں یہ سنکر کہ یہ یتیم خانہ ہے چلی آئی۔ میں بڑھیا ہوں۔ مگر مجھ سے زیادہ کوئی یتیم بھی قابل رحم نہ ہوگا۔ متواتر فاقوں اور پے در پے مصیبتوں نے میری کمر ہمت توڑ دی۔ میں صرف اس قدر چاہتی ہوں کہ دونوں وقت میرے پیٹ میں ٹکڑا پڑ جائے اور میں جب تک بیمار اور محنت کے قابل ہوں فاقوں کی تکلیف سے بچ جاؤں۔ بیٹی جو کچھ میرے پاس موجود تھا اس بیمار دکھیاری کو کھلایا اور شام کو ڈولی منگوا کر ان حافظ قوم بیوی کی خدمت میں بھیجدیا۔ جس وقت بڑھیا پہنچی ہے تو انہوں نے ایک ٹھٹھا مارا اور کہا میں اگلے زمانہ کی بیوقوف نہیں ہوں کہ تم کو مفت کی روٹیاں دیدوں تم لوگوں نے اپنا وطیرہ بھیک اختیار کر لیا ہے۔ جس کی وجہ سے ہمکو ماما میسر آنا حد سے زیادہ مشکل ہوگیا۔ میں تم کو اس شرط پر اپنے ہاں رکھ سکتی ہوں کہ تم میری ملازمت قبول کرو۔ ورنہ خیرات میں ہرگز ہرگز۔ میں تم کو مستحق نہیں سمجھتی۔ قوم مر رہی ہے مسلمان برباد ہو رہے ہیں۔ ایک تمہاری ذاتی ضرورت سے بہت زیادہ قوم سلوک کی مستحق ہے۔ میں تم کو ایک پیسہ بھی دوں تو فضول ہے۔ کیونکہ یہ پیسہ تم سے بہت بہتر موقع پر صرف ہو سکتا ہے۔

جس وقت اس بدنصیب عورت نے یہ واقعہ مجھکو آکر سنایا ہے تو میں لرز گئی۔ میری آنکھیں وہ سماں بھی دیکھ چکی ہیں جو آج کہیں نظر نہیں آتا۔ مشکل سے نو برس کی ہوں گی۔ ایک روز کا ذکر ہے منجھلی چچی جان کے پاس بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔ اتفاق سے گھر کی سقنی آئی اور اس نے برقع اتار کر رکھدیا اور سیدھی آکر ہمارے پاس بیٹھ گئی۔ رنج کی گھٹا اس کے چہرے پر چھائی ہوئی تھی اور فکر کا مینہ اس کی صورت پر برس رہا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد چچی جان فرمانے لگیں۔

بدنصیبا ایسی چپکی کیوں بیٹھی ہو خیر تو ہے۔

نصیباؔ۔ بیگم کیا بتاؤں پڑتی پر پڑ رہی ہے۔ آدمی کیا ہوئی پتھر ہو گئی۔ کہاں تک سہوں اور کب تک اُٹھاؤں بنیے سے کریما کے موقع پر بیس کے چوبیس دینے کہے تھے اس طرح تو اس کا پوت پورا کیا۔ بنیے مردے نے گھر کی مٹی لے ڈالی، ادھر چاند ہوا اور اُدھر اس کا تقاضا موجود۔ ڈھائی برس تک تو بیاز لیتا رہا دو کم ڈیڑھ بیس یوں لیے اور پھر اصل مانگی کہ نالش کرتا ہوں۔ ہاتھ گلا دیکر اس کمبخت سے پیچھا چھڑایا۔ گیارہ روپے کم تھے وہ میں نے کہا لاؤ داروغہ جی سے لیلوں لڑکا تو اُن کے ہاں کام کرتا ہی ہے۔ تنخواہ میں کٹوا دونگی۔ روپئے تو انہوں نے دیدئے، مجھے بھی خیال نہیں رہا اور اُنہوں نے بھی کبھی نہ مانگے۔ اب اُن کی بدلی ہو گئی آج جا رہے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم امیر کو ساتھ لیجائیں گے یا تو ہمارے گیارہ روپے دیدے۔ نہیں تو جب روپیہ بھیجدے گی بچہ کو بلا لیجیو۔ بھلا بیوی دیکھو تو سہی نو برس کا بچہ میں کالے کوسوں کس دل سے بھیجدوں۔ اب تو کوئی چیز بھی ایسی نہیں، جس پر روپیہ لے لوں۔ اُن کے دنوں کی دو مشکیں پڑی ہوئی تھیں لیکر گئی تھی۔ سوا دو روپے ملتے ہیں۔ اور داروغہ جی نے یہ غضب کر رکھا ہے کہ بچہ کو گھر سے باہر نہیں نکلنے دیتے۔ مجھے بھی نکال دیا ہے کہ ہمارا مغز نہ کھا۔ روپیہ دیتی ہے تو دیدے اور بچہ لے جا نہیں تو نکل جا۔

میں چچی جان کی عادت سے اچھی طرح واقف تھی وہ اپنے دم پر تو کبھی ایک پیسہ بھی نہیں اُٹھاتی تھیں۔ ہاں مسجد میں مدرسوں میں یتیم خانوں میں غریبوں میں دیتی تھیں اور جی کھولکر دیتی تھیں۔ خود تو وہی چھ برس کا لحاف۔ بہت بڑا احسان کیا اور ایسا ہی سے ہوئے تو استر وہی ابرا وہی کہنے سننے سے پانچویں چھٹے برس اس کی روئی بدلوالی مگر ہر سال سو لحاف اللہ کے نام کے ناغہ نہ ہوتے تھے۔ جو کچھ کرتی تھیں اس طرح کرتی تھیں کہ کانوں کان کسی کو خبر تک نہ ہوتی تھی اور اگر پتہ لگ گیا اور کسی نے منہ پر کہدیا تو ہاتھ جوڑتی تھیں کہ خدا کے لئے زبان سے نہ نکالو خدا قبول کرلے۔ نصیباؔ کی بات سنکر منہ سے تو کچھ نہ بولیں چپکی اُٹھ ٹہلنے لگیں کوئی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد جب میں ادھر اُدھر ہو گئی تو اسکو روپے دیدئے اور وہ دعائیں

دیتی اپنے بچہ کو داروغہ جی کے پنجے سے چھڑا لائی۔

یہ ہے موجودہ خیرات اور اگلی خیرات اور یہی ناز اور اعتراض کی کیفیت میں نے یہ بہت موٹی موٹی باتیں بیان کی ہیں جو رات دن تم اور میں دیکھ رہی ہیں، اور تم میں سے جو زندہ رہیگا وہ دیکھ لیگا کہ یہ مدعیان تعلیم پانی کے حباب اور دریا کے سراب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے، ہاں دور قدیم و جدید کا امتیاز بیں یہ ضرور نظر آرہا ہے کہ ان بیویوں میں یہ ٹیپ ٹاپ نہ ان کے لباس ایسے زرق برق اُن کی زبانیں ایسی طرار اور اُن کے چہرے ایسے پٹے پٹے نہ تھے وہ سیدھی سادی اُنکا لباس بالکل معمولی اُنکی زبانیں وقت پر کام کرنیوالی اور اُنکے چہرے بھولے بھالے تھے۔ اُنکی زندگیاں ختم ہوگئیں۔ اُنکے وقت گذر گئے اور اب تم کو وہ صورتیں نظر آئیں گی مگر اُن کے تمدن اُنکی زندگیوں کا اُنکے عادات و خصائل کا تھوڑا بہت پتہ اس زمانہ کے گیت اس وقت کی لوریاں تم کو دے رہی ہیں۔ مگر یہ بھی اب دم توڑ رہی ہیں، وہ جب رات کو اپنے بچوں کو پہلو میں لیکر سوتی تھیں۔ تو ایک لطیف وعظ ایک پُر مغز لکچر روزانہ اُن کے سامنے دیتی تھیں اور اس کڑوی دوا کو کہانی کے رنگ میں ڈبو کر دکھاتی تھیں تاکہ دلچسپی میں کوئی فرق نہ آنے پائے جو باتیں آج کنڈرگارٹن بہترین استاد اور منتخب استانیاں مدتوں اور برسوں میں سکھا سکتی ہیں بہ آسانی اس پیرایہ میں ذہن نشین ہوتا تھا اور ایسا جمتا تھا کہ مرتے وقت تک ذہن سے نہ نکلتا۔ اب یہ کہانی کہنے والے تو خیر رخصت ہوئے ہی تھے افسوس یہ ہے کہ کہانیاں بھی ناپید ہو رہی ہیں۔ گیت اُڑ گئے کہیں بھولے بسرے نہ آواز کان میں آجاتی۔ ورنہ اس لئے کہ اُنکی نسبت دور قدیم سے ہے قابل نفرت ہیں۔ لیکن ابھی ہماری آنکھیں ان معمولی باتوں میں بھی جو اُنکی دلچسپی کے مشغلے اور خوشی کے جلسے ہوتے تھے ان کا خلوص ان کی نیک نیتی اور اُنکی قابل فخر زندگی کی جھلک دیکھ رہی ہیں۔

آج یہ وقت ہے کہ میں اپنے کانوں سے کئی دفعہ یہ آواز سن چکی ہوں کہ امیر اور غریب کا

رشتہ کیا۔ جو امیر ہی اس نے اپنی قوت بازو سے اپنی کوششوں سے اپنی محنتوں سے روپیہ
حاصل کیا۔ اس لئے نہیں کہ وہ غریب بہن بھائی کی نذر کرے اور اپنے سایہ میں اُن کی
خدمت کرتا رہے۔ مگر پیاری بہنو! دورِ قدیم کی تربیت یہ نہ تھی وہ تمول کو تدبیر، افلاس کو
تقدیر اور واقعات کو اتفاق سے تعبیر کرتے تھے۔ اُنکے ہاں امیر و غریب سب کی حیثیت
ایک تھی والدین اولاد کے مختار ہوتے تھے اور اُنکے سامنے بچوں کی اتنی مجال نہ ہوتی تھی
کہ خوشحال کنگال کو ٹیڑھی نگاہ سے دیکھ لے۔ اُنہوں نے یہ سمجھکر کہ کہیں دینے والا
لینے والے کو حقارت سے نہ دیکھے، اپنا تمدن ہی ایسا مقرر کر دیا تھا۔ جہاں سب ایک سطح
پر آجائیں اُنکی رسمیں اُنکی تقریبیں میرے دعوے کا نشان دے رہی ہیں۔ آج سنتی
ہوں کہ انجمن آرا بیگم نے جو دہیور میں جہاں اُنکے شوہر ناظم ہیں۔ بچی کے دودھ چھٹانے
کی شادی اس زور شور سے رچائی کہ سارا شہر واہ واہ کرنے لگا۔ کل کان میں یہ آواز آتی ہے
کہ سعیدالنسا بیگم نے میرٹھ میں ایسی پارٹی دی کہ سب دنگ ہو گئے۔ دورِ قدیم میں یہ چرچے کہیں
نہ سُنے کہ پردیس میں شادی رچائی اور غیروں میں بیٹھ کر جی خوش کر لیا۔ ہماری مثل تو یہ تھی کہ جنگل
میں مور ناچا کس نے دیکھا۔ ہم نے تو وہ شادیاں دیکھیں ہیں کہ امیر کہاتی پیتی۔ زیور جائداد والی
دولت حشمت والی غریب مفلس رشتہ دار کے آگے ہاتھ جوڑ رہی ہے کہ خدا کے واسطے بیمار ہو تو
وہی کنگنہ کے لئے آجاؤ اور بیٹی کو اپنے ہاتھ سے وداع کر دو۔ اس کی اصلی غرض کیا تھی صرف
یہ کہ ذوی القربیٰ والیتمیٰ۔ اب تم اپنے ذہن میں اسوقت کا ایک گھر قائم کر لو، تو تم کو اس زمانہ کے حالات
معلوم ہونگے۔ ایک کھاتا پیتا بھائی جس کو خدا نے سب کچھ دے رکھا ہے۔ بہن بدقسمتی سے
غریب ہے مفلس ہے اور مشکل سے زندگی بسر کر رہی ہے۔ مگر رشتہ کے اعتبار سے دونو برابر ہیں
ایک باپ کی اولاد ایک ماں کے پیٹ میں پاؤں پھیلائے۔ دولت کا امتیاز اور تغیر کی مصیبت
رشتہ کی مساوات میں حارج نہیں ہے۔ وہ اپنی دولت میں خوش ہے تو یہ اپنی مفلسی میں مگن۔
بھائی کے ہاں بیٹا ہوا۔ تو اس وقت کا تمدن اس طرح شروع ہوتا ہے۔ یہ مثل ملحوظ رہے

کہ بہن پچاس برس کی اور بھائی پانچ برس کا یعنی دونو برابر ہیں۔ بھائی اگر بچہ اور بہن بڑھیا بھی ہی تو بھی وہ بچہ اس بڑھیا کے حقوق سے غافل نہیں ہو سکتا۔ ہاں تو بھائی کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہی۔ بہن چونکہ عورت ہی۔ فطرتاً یہ سنکر کہ بھائی کو خدا نے یہ دن دکھایا خوشی کے مارے اُچھل پڑی۔ چونکہ وہ اس خوشی کے موقع پر بھائی کی کمائی میں حقدار ہے نیگ جوگ کے بھلانے سے اس کو اس موقع پر بہت کچھ ملے گا۔ مگر ایسا نہ ہو کہ اس کی مفلسی بھاوج کی نگاہ میں وجہ ذلت ہو جائے اسی لئے پہل اس کی طرف سے ہوتی ہے اور سب سے پہلے وہی بھتیجہ کا کرتا ٹوپی تیار کرتی ہی اور خود لیکر بھائی کے یہاں پہنچتی ہے ذرا اس وقت کی زچہ گیری کو دیکھنا۔ بہن کیا کہہ رہی ہی۔

"میں تو ہولر سنکر آئی بیرن بھیا میں تیری ماں کی جائی"

اللہ اللہ کیسا موثر وقت ہی، بھائی بھاوج خدا کی اس نعمت پر باغ باغ ہیں چاروں طرف سے مبارکبادیں مل رہی ہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے حق طلب کرتا ہی کہ دفعتہً مدتوں کی چھوٹی ہوئی بہن کی یہ صدا اس بہانہ سے کان میں آتی ہی۔ وہ بھیک نہیں مانگتی اپنا حق نہیں جتاتی پہلے اپنے آنے کی وجہ بیان کرتی ہی اور کہتی ہی۔

میں تو ہولر سنکر آئی۔ بیرن بھیا میں تیری ماں کی جائی

اس وجہ کو بیان کرنے کے بعد بے ساختہ اس کی نگاہ بچہ پر پڑتی ہی۔ دل بھر آتا ہے بھائی کی محبت جوش کرتی ہی اور دل سے یہ دعا نکلتی ہی۔

باغوں میں جیسے آم پھلے ہے ایسے پھلے میرا بھائی
بیرن بھیا میں تیری ماں کی جائی

اب اس کو اپنی غربت اور بھائی کے تمول کا خیال آتا ہی اور سوچتی ہی کہ بھائی تو خیر میرا اپنا ہی۔ کہیں بھاوج مجھکو غریب سمجھکر حقارت سے نہ دیکھے۔ یہ خیال آتے ہی وہ بھاوج سے کہتی ہی۔

"جیئے میری بھاوج جیئے میرا لالہ نند مینی نہیں آئی" خالی
بھاوج کو دعا دیتی ہی۔ بھتیجے کی درازی عمر کی خواہش کرتی ہی، اور دبی زبان سے اپنا
مطلب بھی کہہ دیتی ہی کہ مینی نہیں آئی یعنی خالی نہیں آئی ہوں

تیرے للہ کو ہنسلی رے کڑے تجھہ کو میوہ لائی
بیرن بھیا میں تیری ماں کی جائی

اب نہا کہہ چکی تو اپنا حق جتاتی ہی اور کس زور سے کہتی ہی کہ لونگی اور لیکر جاؤنگی۔

شو کے چڑھن کو گھوڑا لونگی تو اپنے بدن کو جوڑا
چھاتی دہلائی روپیہ لونگی اپنی لٹ کی دہلائی
بیرن بھیا میں تیری ماں کی جائی

سبحان اللہ کیسے مزے کی باتیں اور پر لطف معاملات ہیں کہتی ہی، خاوند کے واسطے
گھوڑا اور اپنے واسطے جوڑا۔ یہ دونوں چیزیں تو الگ لونگی اور ابھی اصلی نیگ باقی ہی۔ تم نے
خواب میں بھی یہ باتیں نہ سنی ہونگی۔ اس وقت تک ماں اپنے بچہ کو دودھ نہ دے سکتی تھی جب
تک کہ مینی زچہ کی نند آکر بھاوج کا دودھ دودھ سے نہ دہولے اور سر کی ایک لٹ
کو دودھ نہ لگا دے۔ یہ باتیں جو محض جہالت معلوم ہوتی ہیں۔ اُن کو زیادہ غور سے
دیکھو تو ابھی باریکیاں معلوم ہونگی۔ دودھ سے چھاتی دہوئی جائیگی، تو ظاہر ہے
کہ دودھ زیادہ ہوگا۔ اس نسخہ کو رسم کا لباس پہنا کر نیگ بنا دیا۔

ادہر نند نے دودھ سے چھاتی اور لٹ دہلائی۔ ادہر زچہ نے بچہ کے منہ میں دودھ
دیا۔ بتاؤ کیسا تھا یہ تمدن احسان ہی نہ کرم۔ بھائی اپنی حیثیت کے موافق دے دلا کر
بہن کو رخصت کرتا ہی۔ اور بہن خوش وخورم اپنے گھر روانہ ہو جاتی ہی۔

یہ باتیں جہالت اور لغو کہی جاتی ہیں۔ یہ میں بھی جانتی ہوں کہ زمانہ کی رفتار یہ جواہر
آبدار خاک میں ملا چکی اور جدہر نظر ڈالو نفسی نفسی کا عالم ہی مگر وقت آئیگا کہ انصاف پسند

آنکھیں اس تمدن کو ترسیں گی، اور ان زندگیوں پر حسرت کے آنسو بہا کر اپنا سر پیٹ لیں گی۔
ان بیویوں کی چال ڈھکے گز کی تھی، وہ روپیہ کو اپنی ملکیت کے ساتھ شوہر کی امانت سمجھتی تھیں اور جانتی تھیں کہ یہ کس مصیبت سے ہاتھ آیا ہے۔ بچا کر چھپا کر کسی نہ کسی طرح وقت بے وقت کے واسطے کچھ نہ کچھ لگا رکھتی تھیں۔ آج ہم یہ دیکھ رہی ہیں کہ مہذب گھروں میں ماشاءاللہ خرچ آمدنی سے ڈیوڑھے اور دوگنے۔ اگر گرانی بڑھ گئی ضروریات زیادہ ہو گئیں تو اس کے ساتھ آمدنی میں بھی آسمان زمین کا فرق ہو گیا۔ دس دس روپے میں اجلے خرچ تھے، اچھا پہنتے تھے۔ بیٹیاں بیاہتے تھے حیثیت کے موافق جہیز بھی دیتے تھے۔ براتیں چڑھتی تھیں چڑھاوے ہوتے تھے۔ اس ہی آمدنی میں سب کچھ ہو جاتا تھا۔ قرض تھا نہ نام آفت تھی نہ پریشانی۔ اس زمانہ میں تو پچاس روپے کی نوکری معراج تھی۔ آج پچاس روپے میں خاک اڑ رہی ہے اور اس کی بڑی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ تمدن بظاہر مذہب سے علٰحدہ ہو کر اس کی ہر شاخ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی جگہ مذہب کے تحت میں اپنا کام کر رہی تھی۔ اب یہ تمدن لاکھ اہل تمدن مذہب کے دعوے زور شور سے کریں مگر ان کا ہر کام اور ہر بات مذہب سے ہزاروں کوس دور ہے۔

(۱۸)

میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ اس گلاب کے پھول کو اپنے ہاتھوں سے اس میں رکھ کر یہ دیکھوں کہ شرمندہ بھی ہوتا ہے یا نہیں۔

ال ال بی

اکرم۔ آپ بی۔ اے میں کامیاب ہونے کے بعد اب ایل ایل بی کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔

حامد۔ اے شمع نورانی اے حسن کی دیوی۔ تو جس کے ہاتھ میں اس وقت حامد کی موت و زیست ہے۔ جس کے ہر قدم پر حامد کی جان لوٹ رہی ہے۔ للہ میری بات کا جواب دے۔ اور میری درخواست قبول کر۔ دہ تو

اکرم ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس گلاب کے پھول سے آپ کو کیا مسرت حاصل ہوگی۔ اُس روز بھی آپنے خواہ مخواہ ضد کی اور لا کے کا پھول میرے ہاتھ میں دیدیا۔

حامد ۔ میں انسان نہیں دیوانہ ہوں، میرے ہوش و حواس میری عقل و صبر سب ہاتھ سے جا چکے۔ مجھکو اب دنیا اندھیر اور جینا وبال ہے۔ میں رات کو عالم تنہائی میں جب صرف آپکا خیال میرے پاس رہیگا، آپ کی صورت میرے روبرو ہوگی۔ اس مونس و ہمراز پھول سے جسکو یہ فخر حاصل ہو جائیگا۔ اپنا دل بہلاؤں گا۔ یہ میرا غم غلط کریگا، اور میرے زخم پر جواب ناسور ہو گیا ہے۔ مرہم رکھے گا۔

اکرم ۔ لائیے مجھے عنایت فرمایئے۔

حامد ۔ لیجئے کرم کے ساتھ تھوڑا سا کرم اور بھی ...... مجھ کو اجازت ہو۔

اکرم ۔ اوہ۔ ضد! ہٹ۔ فضول۔ کیا لغویت ہے۔ اچھا لو۔

حامد ۔ آہ۔ آہ۔ آہ۔

(۱۹)

محترمہ رضیہ بیگم صاحبہ، مہتمم مدرسہ نسواں اسلام سنت الاسلام

میں آپ کے مدرسہ کی شاگرد بی بی رئیس النسا سے جو پچھلے ہفتہ میں امتحان دینیات اور اردو میں کامیاب ہوئی ہیں۔ نکاح کا خواہشمند ہوں۔ کل میں نے جس عزیزہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا تھا وہ میری معتبر بہن ہیں اور میرے مزاج اور میرے عادات و خصائل سے پوری طرح واقف۔ اس نے چونکہ ہر طرح اپنا اطمینان ظاہر کیا ہے۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ آپ میری درخواست کو منظور فرما کر سنت رسول کے موافق اس نکاح کو انجام دیں گی۔ مہر موجل دو ہزار روپے دینے تک آمادہ ہوں۔ اور بالفعل محکمہ افیون میں ساٹھ روپے ماہوار کا ملازم۔

نیازمند نوراللہ

آپا جان یتیم لڑکی ہے۔ جہیز وغیرہ کچھ ہے نہیں۔ اس لئے ہم جوڑے ہاڑے کے متعلق گفتگو نہیں
کرتے۔ پرسوں جمعہ عیدالمسلین ہے۔ میری رائے میں نماز کے بعد نکاح ہو جائے۔ اور
رضیہ اپنے گھر رخصت ہو۔ اس میں شک نہیں کہ رضیہ اس وقت مدرسہ بھر کا مول ہے اور اس سے
مجھکو جو کچھ مدد مل رہی ہے میں بیان نہیں کر سکتی۔ مگر کہاں تک اس کو بٹھائے رکھوں گی
خدا کا کام ہے۔ خدا کسی اور لڑکی کو اس قابل کر دیگا۔ لڑکے کے متعلق میں نے اچھی طرح اطمینان
کر لیا ہے۔ بہت شریف بچہ ہے۔ اس کے ماں باپ بھلے مانس ہیں۔ پہلے انہوں نے رقعہ بھیجا
تھا۔ میں نے کہا لڑکے کی طرف سے شرع اسلام کے موافق پیغام بھجوا دیجے۔

بڑی بہن۔ بس تو جب تم ہر طرح اطمینان کر چکی ہو۔ تو پھر دیر کی کیا ضرورت۔ بسم اللہ
کرو اور پرسوں اس فرض سے سبکدوش ہو جاؤ۔

(۳۰)

تم بھی بعض دفعہ ایسی بیوقوفی کی بات کہدیتی ہو کہ آگ لگجاتی ہے۔ اکرم کو بروں کی کیا کمی۔ اور
ایسی اس کی عمر ہی کیا ہو گئی۔ اکیس برس کی لڑکی تو ولایت میں بچہ سمجھی جاتی ہے۔ جس وقت تم نے
ارادہ کیا اس وقت اتنے پیغام آئیں گے کہ انتخاب مشکل ہو جائیگا۔ خاندانی عزت آج شہر میں
جواب نہیں رکھتی۔ اب تعلیم نے اس کو اور بھی مشہور کر دیا۔ خواہشمند تو بیسیوں مگر ایسا لڑکا میری
نظر میں تو کوئی نہیں۔ جو اس کے قابل ہو سکے۔ چھوٹی ہی سی تھی بلکہ اباجان کی زندگی
میں منجھلے چچا نے پیغام دیا تھا۔ مگر وہ لڑکا اب مرمر کر انٹرنس میں پاس ہوا ہے۔ خود بڑی
آپا جان کا بچہ ناصر موجود ہے۔ جھوٹوں اشارہ پا جائیں تو گھر کی مٹی لے ڈالیں۔ مگر لڑکا
ایسا چاہیئے جو کم سے کم بی اے ہو تاکہ اس کی قابلیت کی قدر کر سکے۔

بیوی۔ میں صرف اس لئے کہتی ہوں کہ آج مہینہ بھر ہوا اس نے مجھ سے شادی کے
متعلق گفتگو کی تھی۔ اپنے واسطے نہیں بلکہ اسلام کے موجودہ طریقہ پر۔

میاں۔ ہاں تو اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ خود شادی کی خواہشمند ہے۔ ہمارا طریقہ مروجہ

ضرور قابل ترمیم ہے۔ اور میری رائے میں میاں بیوی کو خود انتخاب کی اجازت دینی چاہیئے۔ تم نے کیا کہا۔

بیوی ۔ میں نے یہی کہا، جو تمہاری رائے ہے۔

(۲۱)

مگر اس میں کیا قباحت ہے کہ تم مجھپر اتنا رحم کرو کہ زیادہ نہیں صرف ایک دفعہ روزانہ اپنی صورت چند لمحوں کے واسطے مجھے دکھا دیا کرو یقین کرنا مس اکرم تمہاری ملاقات کے فوری اثر سے جو مسرت حاصل ہوتی ہے، وہ اس قدر پائدار ہے کہ آجتک زندہ ہوں ورنہ میری دنیا اور میری زندگی تو ختم ہو چکی۔

ہاں ہاں ڈیر مس اکرم کس منہ سے شکریہ ادا کروں، میری انگوٹھی کو شرف قبولیت عطا فرمایا اور مجھکو مول لے لیا۔

اکرم ۔ میں جب موقع ہوتا ہے تم سے گفتگو کر لیتی ہوں البتہ تمہاری طرح دنیا سازی کی باتیں مجھے نہیں آتیں۔ میں کس طرح روزانہ ملنے کا وعدہ کروں۔ وعدہ خلافی سے زیادہ دنیا میں کوئی غلطی انسان سے نہیں ہوسکتی۔ میں تم سے کبھی وہ وعدہ نہیں کرسکتی جو میرے اختیار میں نہ ہو۔

حامد ۔ میں صرف اس وقت اس نازک ہاتھ کو جس نے میری عزت افزائی کی اپنی آنکھوں سے لگانا چاہتا ہوں۔ اور یہ آپ کا ایسا احسان ہوگا کہ میں اسکو نہیں بھول سکتا۔

اکرم ۔ آپ بعض اوقات بہت بے جا ضد کرتے ہیں۔ لیجئے۔

حامد ۔ یہ ہاتھ چنبیلی کا پھول ہے جس کی نازک پنکھڑیاں میری آنکھوں کو فرحت میرے دل کو طراوت میری روح کو تازگی اور میری جان کو تقویت بخش رہی ہے۔

اکرم ۔ ہاں آپنے اس روز کہا تھا کہ آپ پاپا سے ملیں گے میرا خیال ہے آپ کو شاید فرصت نہیں ملی۔

حامد ۔ واہ میری محسنہ میری حسینہ میری جان کی مالک میرے دل کی مالک اکرم اچھی قدردانی

کی ۔ میں نے دو دفعہ ملنے کا قصد کیا ۔ اور گھنٹوں وہاں ٹہلتا رہا ۔ مگر میری ہمت نہ پڑی کہ میں اُن سے
اس کے متعلق کچھ عرض کر سکوں ۔ اب جو کچھ بھی ہو دل کڑا کر کے آج عرض کرونگا ۔

اکرم ۔ آپ کو میرے سامنے تو ہر قسم کی ہمت ہو جاتی ہے اور ایک باضابطہ معاملہ میں آپ اتنے
پست ہمت ہوتے ہیں ۔

حامد ۔ تمہارے رحم و کرم میری حوصلہ افزائی کرتے ہیں ۔ تمہارا حسن میرا دل بڑھاتا ہے اور تمہاری
پیاری صورت مجھکو ترغیب دیتی ہے ۔ کہ میں اپنی درخواستیں تمہارے سامنے پیش کر دوں ۔

اکرم ۔ تو آپ اُن سے کب ملیں گے ۔

حامد ۔ کل انشاء اللہ ضرور عرض کروں گا ۔

اکرم ۔ اچھا رخصت !

حامد ۔ میں کس طرح کہوں یہ صورت جو اس وقت پیکر اکرم میں میرے پیش نظر ہے میری آنکھوں سے
اوجھل ہو کر میری جان پر بنا دیگی ۔

اکرم ۔ تم نے پھر وہی رٹ شروع کی ۔ اچھا (ہاتھ ملا رہا ہے)
گوڈبائی مسٹر حامد ۔

(۲۲)

تم نے اگلے مہینے میں بھی یہی کہا تھا کہ اب کے انشاء اللہ اکٹھے میں روپے دونوں مہینوں کے
اماں جان کو بھیجدونگا ۔ میں اس وقت خاموش ہو رہی ۔ لیکن اب کے تمہاری نیت پھر وہی معلوم ہو
رہی ہے ۔ تم ماشاء اللہ ساٹھ روپے کے نوکر ہو گھر میں ماما ہے باہر نوکر ۔ اچھے سے اچھا کھاتے
اور بہتر سے بہتر پہنتے ہو ۔ میری کوئی ضرورت کبھی کی نہیں رہتی ۔ بچوں کے سب کام پورے ہوتے
رہتے ہیں ۔ مگر افسوس ہے ہماری حالتوں پر کہ ضعیف العمر والدین جو آج ہماری مدد کے محتاج ہیں اور
جنکا اگر سچ پوچھو تو ہم پر کوئی زور نہیں ہے ۔ اپنے خرچ کی راہ دیکھیں اور ہمارے پاس سے نہ جا سکے ۔ تم گھر کے
سب خرچوں کو موقوف کر دو ۔ کپڑا اگلے مہینہ میں آ جائیگا ۔ گھی دس کا نہیں پانچ کا منگاؤ ۔ مگر

اُن کے میں روپئے آج ہی روانہ کردو۔

نور اللہ۔ میں تمہارے اس خیال کا بیحد احسانمند ہوں اور مجھے بڑا افسوس ہی کہ میں اُنکی خدمت پچھلے مہینہ میں نہ کرسکا۔ مگر کیا کروں اگر بھیجدیتا ہوں تو اسی مہینہ کی سی تکلیفیں پھر نظر آرہی ہیں۔ کون سے خرچ کم کردوں۔

رئیس النسا۔ اُنکی زندگی کا بھروسہ نہیں۔ دنیا ہمارے سامنے کھلی ہوئی ہی۔ ہم ہزاروں کمائیں گے اور اُٹھائیں گے۔ مگر وہ موجود نہ ہونگے۔ جب تک اُن کا ساجھا ہماری کمائی میں ہے ہمارا فرض ہی کہ ہم نہ صرف اس کو پورا کریں بلکہ اپنا فخر سمجھیں جس وقت وہ نہ ہونگے اگر ہم ہزار روپے بھی اُٹھادیں تو وہ سچے دل سے دعائیں دینے والے ہم کو میسر آئیں گے۔ ہمکو تو تکلیف ہوتی ہی ہے لیکن جنکا کوئی سہارا نہیں اُنپر تو شاید فاقے ہی ہو رہے ہونگے۔ کس بیقراری سے وہ ڈاکیہ کی راہ دیکھتے ہونگے، اور جب یہ سنتے ہوں گے کہ کچھ نہیں تو ان کا دل کیا کہتا ہوگا۔ یہ میں جانتی ہوں کہ اُن کے دل بددعا نہ دیں گے۔ مگر اب ایسے محبت کرنے والے ہمکو دنیا میں میسر نہ آئیں گے۔ ہمنے اُنکی خدمات کی کچھ قدر نہ کی۔ مجھکو یاد ہی۔ میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہی کہ ایک دفعہ حضرت حسن بصریؒ بازار میں تشریف لیجا رہے تھے اُنہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ ایک عورت کو اپنی پشت پر لئے چلا جاتا ہی۔ پوچھا۔ یہ تیری کون ہی۔ اس نے کہا میری ما۔ فرمایا کہ بیشک تو اپنے فرض سے ادا ہوا۔ جس طرح یہ تجھکو گود میں اُٹھائے پھرتی تھی اسی طرح آج تو اس کو پشت پہ لئے چل رہا ہی امام کی یہ گفتگو سنکر اس شخص نے کہا نہیں یہ بات نہیں ہی۔ اس فرض سے میں تو کیا کوئی بھی ادا نہیں ہوسکتا۔ اس کی اور میری حالت میں زمین و آسمان کا فرق ہی۔ جس وقت یہ مجھکو لیتی تھی تو اندر سے اس کا دل میری درازی عمر کا متمنی تھا اور اس کو میری تکلیف اپنی راحت سے بہتر تھی۔ میں اس کو بار نہ تھا لیکن آج جبکہ یہ میری پشت پر ہی۔ مجھکو بار معلوم ہوتی ہی اور میری تمنا یہ ہی کہ خدا جلد اس کا انجام بخیر کرے۔ لیکن اس کے دل میں میری موت کا خیال کبھی پیدا ہی نہیں

ہو سکتا تھا۔

کیا خبر ہمکو والدین کی صورت دیکھنی نصیب ہو یا نہ ہو۔ مگر یہ وقت یاد رہ جائیگا اور انکی تکلیفیں اگر تم کو نہیں تو مجھکو خون کے آنسو رلوائیں گے ان کا دل یہ ضرور کہہ رہا ہوگا کہ بیوی بچوں کے اخراجات کی وجہ سے ہماری تنخواہ بند ہوگئی۔ پچھلے مہینہ میں تم نے اُنکو کچھ نہ بھیجا۔ مگر اسی خرچ میں سے بچا بچو کر میں نے اُنکے یہ دس روپے نکال لیے۔ خدا کے واسطے دس یہ لو اور دس اس تنخواہ میں سے ملا کر سب سے پہلے ان کا منی آرڈر کرا دو۔

نور اللہ۔ خدا تمہاری عمر میں برکت دے اور تمہاری اس سعادت مندی کا اجر آخرت میں دے تم نے جو کچھ کہا بہت درست اور ٹھیک ہے۔ لاؤ میں سب سے پہلے روپیہ روانہ کر دوں جا تو رہا ہی ہوں اور جو کچھ منگواؤ اُدھر سے لیتا آؤں۔ تمہارا چادرہ آج میں ضرور لاؤنگا۔

بیوی۔ چادرہ لانا شوق سے لانا۔ میں منع نہیں کرتی مگر تم بھی سوچو میں گھر کی بیٹھنے والی کہیں آنا نہیں جانا نہیں جیسے کپڑے ہیں لوگی کوئی کہنے والا نہ سننے والا۔ اگر کہیں جانا بھی ہو گیا تو اللہ کا شکر ہے آنے جانے کے کپڑے میرے پاس موجود ہیں۔ مگر سب سے پہلے تم اپنی اچکن کا کپڑا لاؤ۔ باہر کا جانا سب سے ملنا جلنا تم ان باتوں پر کیوں نہیں غور کیا کرتے میں پرسوں سے دیکھ رہی ہوں کہ اچکن کی کہنی مسک گئی دو ایک دن میں اور نکل جائے گی۔ مہینہ بھر پھٹی ہوئی اچکن پہنو گے، نام تو میرا ہی بدنام ہوگا۔ تم اپنی ضرورت سے نہیں تو میری ہی بدنامی کی خاطر خدا کے لئے سب سے پہلے اپنی اچکن کا کپڑا لاؤ۔ اور ایک کمری کی دریس لیتے آنا نماز کو جاتے ہو۔ اگلے برس کی کمری گلے میں ہے اس میں گرمائی کیا خاک ہوگی۔ روئی میں نے منگوا رکھی ہے۔ انشاء اللہ آج ہی تیار کر دونگی۔

نور اللہ۔ تم تو ہمیشہ یوں ہی مجبور کیا کرتی ہو۔ چادرہ آ جاتا تو اچھا تھا خیر میں اچکن کا کپڑا لیتا آؤنگا اور ہاں دعوت کے واسطے تو بتاؤ کل تحصیلدار صاحب آئینگے اُنہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس سال میری ترقی کی سفارش کرینگے اس لئے میں کہتا تھا کہ انکی

ایک وقت کی دعوت کر دیتا۔ مگر تمہارا جی اچھا نہیں اس لئے مجبور ہوں۔

بیوی۔ میرے جی کا کیا ہے۔ نزلہ زکام۔ کھانسی بخار کیا ہوا نہیں کرتے۔ تحصیلدار صاحب پھر کب کب آئیں گے۔ ضرور دعوت کر دو۔ میں انشاء اللہ سب ٹھیک ٹھاک کر لونگی۔ میری بیماری کا تم نے اچھا عذر سوچا۔ میرا کیا ہے کوئی بیماری دنیا کے کام کاج کرتے ہیں۔

(۲۴)

رضیہ بیٹی تم کو بار بار سمجھایا کہ تم اپنے گنوں سے باز آؤ۔ اور یہ طور طریقے چھوڑ دو۔ تم نے تمام خاندان کی ناک کاٹ دی شہر بھر میں تمہارا خاکہ اڑ رہا ہے اور دنیا تم پر ٹھٹھے لگا رہی ہے غضب خدا کا میر کلن کی لڑکی جو پانچ ہزار کا جہیز لیکر گھر سے نکلی تھی وہ فقیرنیوں بھکمنگنیوں یتیموں اور رانڈوں کی خوشامد کرتی پھرے جس پر ہمیشہ استاد اور استانیاں نوکر رہیں وہ آج ذلیلوں اور رذیلوں کو سبق پڑھا رہی ہے اس وقت ابا جان زندہ ہوتے تو یا تو خود زہر کھا لیتے، یا تم کو جان سے مار ڈالتے۔ میں گو چھوٹا تھا۔ مگر تمہارے باپ کی جگہ۔ اگر تم بڑوں کی عزت بناتیں اور ہماری آبرو برباد نہ کرتیں تو ہم ایسے گئے گذرے نہ تھے۔ تمہارے کتوں کو روٹیاں دے سکتے تھے۔ اس وقت بھی میں سیر آٹا صبح و شام پکتا ہے۔ تمہارا پاؤ سیر آٹا دو بھر نہ تھا۔ مگر آدمی دیتا اس کو ہے جسکو دیکر جی خوش ہو یہ نہیں کہ گدھے کی آنکھوں میں نون دیا اس نے کہا میری آنکھیں پھوٹیں۔ خیر جیسا کیا ویسا بھگتو اور جو بویا وہ کاٹو۔ پردہ کرو۔ بنیئے نے تمہارے نام نالش دائر کر دی ہے۔ اور فیصلہ سے قبل قرقی کا حکم ہے۔ ہٹو، جلدی ہٹو، اہلکار تمہارے نوکر نہیں ہیں کہ کھڑے رہیں گے۔

رضیہ۔ میاں کیسی قرقی کس کا بنیہ۔ میں نے تو آجتک کسی سے ایک پیسہ بھی قرض نہیں لیا۔ ذرا میرے سامنے تو بلاؤ۔ کیوں کہہ رہا ہے۔ میرے منہ پر تو کہے۔

اچھن۔ تم سچی اور مس صاحب کا جمعدار دولو رام جو چرچ سے پنشن پا رہا ہے۔ جھوٹا جس کی ضمانت پر ڈیڑھ سو روپیہ قرض لیا تھا۔ آپا گریبان میں منہ ڈالو۔ ملا ہا۔

رضیہ۔ بھائی کیا کہہ رہا ہے۔ خدا کے واسطے اچھن مجھکو بچا۔ میں نے تو ضمانت کسی یہ نام بھی آج سُنا ہے۔ کون مس صاحب کیسا جمعدار

اچھن۔ اچھا پردہ کرو۔ امین میرے اور تمہارے باوا کا نوکر تو نہیں ہے کہ گھنٹوں کھڑا رہیگا

پردہ ہوتے ہی دو تین اہلکار۔ پندرہ بیس سپاہی۔ گھر میں داخل ہو گئے اسباب قرق ہونا شروع ہو گیا۔ مدرسہ کا تل تل اور رتی رتی قرق ہو چکا تو بغلی کے کمرے میں آئے دری گاؤ تکیہ برتن بھانڈا سب چیزیں اُٹھتی رہیں۔ مگر رضیہ خاموش دیکھتی رہی جب اچھن نے کاغذوں کا بستہ اُٹھایا اور کھولنے لگا۔ تو اس نے باواز بلند کہا :۔

جو آواز آجتک کسی غیر مرد نے نہیں سُنی وہ اچھن تمہاری موجودگی میں کہ تم وارث شرعی ہو اتنے مجمع میں نکلتی ہے۔ میرے بستہ کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ یہ میری وہ امانت ہے جس کو گیارہ برس سے سینہ سے لگائے ہوئے ہوں! اچھن یہ تمہارے دیکھنے کی چیز نہیں ہے۔ یہ میرے اس وارث کے راز ہیں جس کی موت مجھے یہ دن دکھا رہی ہے۔ یہ ردی کاغذ ہیں۔ مگر وہ کاغذ جنکو روز ایک دفعہ دیکھتی ہوں، اور زمانہ گزشتہ کو یاد کر لیتی ہوں، یہ میری نگاہ میں لال یاقوت زر و جواہر سیم و زر دولت و سلطنت سب سے زیادہ ہیں۔ ان پر اگر کسی کی نظر پڑ گئی تو میرا ایمان میرا نفس میرا دل مجھپر لعنت بھیجے گا کہ میری وجہ سے ایک شخص کا راز ایک مردہ روح کا راز آج افشا ہو رہا ہے۔ اچھن ان خطوں کو نہ پڑھو اور بستہ مجھے دیدے

طاقت ور۔ صاحب اقبال۔ عقلمند و ہوشیار۔ مالدار زوردار اچھن کے مقابلہ میں بدنصیب فقیر و ذلیل و رذیل۔ مظلوم و خستہ خوار رضیہ کی وقعت کیا خاک تھی بستہ بھی اسباب قرق شدہ میں داخل ہوا۔ اور تھوڑی دیر میں مدرسہ یتیم خانہ اور زنانہ مکانات میں دانت کریدنے تک کو تنکا نہ رہا۔

دو بجے سے پانچ بجے تک یہ مصیبت برپا رہی جب لڑکیاں و اہلکار سب چلے گئے تو عالم تنہائی میں رضیہ کو اپنی بدنصیبی کا خیال آیا وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی اور چیخ

چیخ کر بلبلائی۔ بھائی کی بے اعتنائی سے اس کے کلیجہ پر تیر لگ رہے تھے۔ اسی حالت میں روتی رلاتی۔ بڑی بہن کے ہاں پہنچی اور اپنی بپتا سنائی رضیہ ساری داستان کہہ چکی تو آج خلاف عادت بجائے اس کے کہ بہن اس کے زخم پر مرہم رکھتی۔ بگڑ کر بولی رضیہ بوا تم نے مجھکو بھی دشمن سمجھا اور خبر تک نہ کی۔ میں ہر طرح سے تمہاری خبر گیری کو حاضر تھی۔ اگر روپیہ قرض لینا تھا تو مجھ سے تو ذکر کر دیتیں۔

رضیہ۔ ہائے آپا۔ میں قرض کو کیا جانوں۔ میں نے کس سے قرض لیا۔ مجھپر تو ناگہانی آئی ہے۔

بڑی بہن۔ بوا مجھکو اچھن تمہارے ہاتھ کی تحریر دکھا گیا ہے۔ میں تمہارا خط پہچانتی ہوں۔ مکرنے سے کیا فائدہ۔

رضیہ۔ اے اللہ مجھکو موت دے کہ میں ایسی ہو گئی۔ آپا کیا کہہ رہی ہو میں غیر مرد کو تحریر دونگی میری عزت آبرو سب برباد ہو گئی۔۔۔۔۔ ہاں ہاں مجھے خیال آیا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ اچھن دوپہر کے وقت ٹہلتا ہوا میرے پاس آیا اور کہا آپا۔ یہ چند سطریں نقل کر دو میں نے نقل کر دیں وہ روپیہ کا لین دین تھا۔ شاید یہ وہی جھگڑا ہے۔ آپا میری بات کا یقین کرو۔ میں بے گناہ ہوں۔ مجھپر اچھن نے ظلم کیا۔ میں اس کو بد دعا نہیں دیتی مگر للہ تم مجھسے ناخوش نہ ہو۔

بڑی بہن۔ رضیہ بدنصیب مت، تیرا ہر ہر آنسو میں نہیں میرے کلیجہ پر گر رہا ہے ما جائی، بھائی کی محبت کو بھوبجا۔ وہ دنیا میں خوش رہے۔ تو اس سے واسطہ رکھتی نہ یہ نتیجہ ہوتا۔ خیر اس کی خوشی یہی تھی، پوری ہو گئی۔ مدرسہ بند کرنا چاہتا تھا کر دیا۔ مگر رضیہ اس نے ظلم کیا ہے اور اس کی سزا خدا کے ہاں سے اسکو ملیگی۔ اپنی بھوبجا اور بھائی کو رو۔

رضیہ۔ آپا مجھے خدا وہ وقت نہ دکھائے کہ اچھن پر کوئی برا وقت آئے میں کس قابل ہوں جو اس کی مدد کروں۔ نہ زر بل نہ بازو بل۔

بڑی بہن۔ خیر جو کچھ ہوا۔ خوب ہوا۔ اسی میں کچھ بہتری تھی تمہاری تحریر کیسے کی تھی

رضیہ۔ آپا ایمان سے کہتی ہوں، مجھے یاد نہیں۔ شاید ڈیڑھ سو روپے فرقی کے وقت سب کہہ رہی تھے اتنے ہی کی ہو گی۔

بڑی بہن۔ تمہارے بھائی آجائیں دیکھوں میں اُن سے صلاح کرونگی۔ مگر رضیہ اچھن نے اچھا نہ کیا۔ وہ اس کی سزا بھگتے گا۔

رضیہ اے ہے آپا خدا کے لئے یہ نہ کہو اس نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔ مگر خدا اس کو خوش رکھے بیوقوف ہی بچہ ہی بات کو نہ سمجھ سکا، مگر للہ میں نہیں چاہتی کہ میرا بھائی کسی تکلیف میں گرفتار ہو

بڑی بہن۔ دیوانی دنیا کلجگ نہیں کرجگ ہی اور خدا میرا تیرا ہی نہیں سب کا خدا ہی اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے! اس نے تیرے ساتھ کچھ نہیں کیا۔ خدا کے کاموں میں خنہ ڈالا اب جانے اور اسکا کام

(۲۴)

جاڑوں کے موسم میں جب دی زور شور سے پڑ رہی تھی۔ رات کے آٹھ بجے ہونگے کہ میر اچھن نے بیوی سے کہا آج ابتک اکرم نہیں آئی کبھی اتنی دیر نہیں لگی، کیا بات ہی۔

بیوی۔ مس صاحب کے پاس بیٹھ گئی ہو گی۔ اب آجائے گی۔

گھنٹے نے مزے لے لے کے آٹھ کے نو، نو کے دس، اور دس کے گیارہ بجا دیئے کھانا رکھا ٹھنڈا ہو رہا ہی، نوکر اور ماما ئیں بیٹھے سوکھ رہے ہیں۔ ماں اور باپ حیران اور پریشان چاروں طرف پھر رہے ہیں۔

میاں۔ لاؤ پھر میں مس صاحب سے جا کر پوچھوں

بیوی۔ ہاں جاؤ دیکھو تو سہی ایسے گھبرا کیوں گئے جائے گی کہاں وہیں ہو گی۔

میاں۔ مگر وہاں تو کتے ہیں۔ رات اتنی آگئی۔ لاؤ لکڑی دو۔

میر صاحب لکڑی لیکر پہنچے تو جاڑوں کی رات آدھی رات کا وقت سناٹا چھایا ہوا۔ کوٹھی میں قدم بھی نہ رکھا سڑک ہی پر تھے کہ آہٹ پاتے ہی کتا لپکا۔ ٹھہرے اور چارو نطرف نظر ڈالی۔ روشنی تک نہ تھی وہیں سے آواز دینی شروع کیں "مس صاحب" میر اچھن

آیا ہوں، اکرم ابتک نہیں آئی۔ مس صاحب کے بدلے کتا بھونکتا ہوا ہر آواز کے جواب میں آجاتا تھا، گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ٹہلتے رہے۔ یکایک خیال آیا کہ شاید اب آگئی ہو۔ گھر لوٹے تو وہاں کیا رکھا تھا۔ اب ذرا دونوں میاں بیوی کو فکر شروع ہوا، مگر ابھی تک دونوں خاموش تھے جب وہ رات جس نے اچھن جفاکار کے ہاتھوں ایرانی سیدوں کی آبرو ایک قزاق کے نذر کی صبح کا منہ دکھا کر پردۂ دنیا سے رخصت ہوئی تو باپ اندھیرے منہ مس صاحب کے پاس پہنچا۔ خانساماں صورت دیکھتے ہی لپکا۔ اور مس صاحب کو جاکر اطلاع دی۔

مس صاحب۔ میں ابھی ملنے کے واسطے تیار نہیں ہوں لیکن مجھکو اکرم کا کچھ حال نہیں معلوم صرف اتنا سنا تھا کہ وہ چند روز سے اپنی قوم کے ایک لڑکے سے ہر وقت باتیں کرتی رہتی ہے۔ اتنا سنتے ہی پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ گھر آیا۔ بیوی کو سارا حال سنایا اور دونوں نے کونے میں بیٹھکر اپنا منہ پیٹ لیا۔

اکرم کے غائب ہونے کی خبر سوئی نہ تھی کہ چھپ جاتی۔ دوپہر تک شہر میں بھی مشہور ہوگئی اور چاروں طرف سے ڈولیاں اترنی شروع ہوگئیں۔ یہ زخم کا نمک تھا جس نے دونوں کو موت کا مزا چکھا دیا۔ آج اچھن کو معلوم ہوا کہ کس طرح باپ دادا کی آبرو کا خاتمہ کیا۔ اور سیدوں کی عزت برباد کی بہنیں دونوں خاموش سرنگوں تھیں کہ اچھن نے کہا ان پوچھنے والوں نے اور بھی میرا دم ناک میں کیا۔ میری بچی اور کسی قابل تو ہی نہیں۔ یا تو کسی نے زہر دیدیا یا پکڑ کر لے گیا۔

بڑی بہن غصہ میں لال اور پیلی ہو رہی تھی کہنے لگی۔

"تم کو اب بھی شرم نہ آئی اور سب کے سامنے بیٹھے باتیں بنا رہی ہو۔ وہ ناہنجار لڑکی جس نے ان سیدوں کی آبرو پر پانی پھیرا جنہوں نے اپنا خون گرا کر عزت قائم کی تھی۔ اس وقت کسی قابل نہیں جس گھر سے لاشیں نکل گئیں اور بیٹی نہ نکلی آج اس پر یہ خدا کا قہر نازل ہوا۔ سادات کے خون ایرانی عزت کا خاندانی شرافت کا تقاضا یہ تھا کہ اس کم بخت کی شہرت سے پہلے ہم زمین میں گڑ جاتے اور موت ہمارا پردہ ڈھانک دیتی۔ اور ہماری یہ سیاہ صورتیں ہمیشہ ہمیشہ کو خاک

میں مل گئیں۔ ہمارے بے حیا چہرے جن پر سدا اسد اکو کلنک کا ٹیکا لگ گیا۔ ہماری یہ رسوائیاں جو مدۃ العمر کو زمین میں گڑ گئیں اس سے پہلے غارت ہو جاتیں۔ میں زہر کھاتی، رضیہ کوئیں میں ڈوبتی اور تو زمین کا پیوند ہو جاتا! اچھن تیرا باپ میر کلن وہ سید تھا جس کی عورتوں کا پلہ تک دوسروں نے نہ دیکھا۔ ایک وہ نہیں اور اُدھر یہ جوانیں نہیں۔ گھونگٹ کی بیٹیوں نے رنڈ سالے پہن لئے اور قبریں جا بسائیں۔ ابھی ہوا تک کسی کو نہ لگی۔ ان کی صورتیں تو درکنار ان کی آوازیں تک دنیا نے نہ سنیں۔ جن کی فریادیں چپ، جن کی آہیں ساکت، جن کے نالے تک خاموش رہے اُن کے کلیجہ کا ٹکڑا اور یہ حشر۔ کنواری اکرم بھاگے اور تو زندہ رہے۔ جوان اکرم لاپتہ ہو اور میں جیتی رہوں۔ سیانی اکرم کل سے غائب ہو اور رضیہ منہ دکھائے۔ دنیا اب ہمارے رہنے کی جگہ نہیں رہی۔ تو نے جو کچھ کیا خوب کیا۔

(۲۵)

قدرت کے نظام نہ کسی موت سے واسطہ رکھتے ہیں نہ مصیبت سے۔ دن ونر کی طرح ختم ہوا اور وہ ہمدرد جن میں بعض نے دن بھر نون مرچیں لگا لگا کر مشرف اور اچھن کو باتیں سنائیں اپنے اپنے گھر کو روانہ ہوئے۔ کہتے ہیں مرنے کو روئے بیٹھ کر رزق کو کھڑے ہو کر۔ مگر دیکھا یہ کہ زندہ کے رونے والے دونوں سے زیادہ تھے۔ بیٹھے چین تھا نہ اُٹھے چین۔ یہ چار شخص تھے جو زندہ جنازے کو رو رہے تھے۔ دونو بہنیں اور خود میاں بیوی۔ کس کا کھانا پینا اور کہاں کی بھوک پیاس۔ اندر یہ چاروں سر پکڑے اور باہر نوکر چاکر دانتوں میں انگلی دیئے خاموش بیٹھے تھے۔ دفعتہً مشرف کو کچھ خیال آیا۔ کوٹھری کھولی اندر گئی۔ صندوق دیکھا تو صندوقچہ جس میں تمام زیور تھا ندارد۔ چیخ کر آ کر بیٹھ گئی۔ اور تھوڑی دیر بعد خود ہی کہنے لگی۔ نابکار ہو کے غریب سے نہیں جان بوجھ کر گئی ہے۔ زیور کا صندوقچہ بھی لے گئی۔ اچھن اُٹھا۔ اندر جا کر دیکھتا ہے تو واقعی صفایا کر گئی۔ دونوں میاں بیوی کو تو پہلے ہی سے یقین تھا۔ اور اچھی طرح سمجھتی تھیں کہ کہیں بائیس برس کی عورت ننھی نہیں بچہ نہیں کہ کوئی گود میں اٹھا کر یا بہکا کر لیجائے۔ مگر ہاں ماں باوا ابتک ممتا کی

وجہ سے اس کو بے قصور ہی سمجھ رہے تھے۔ لیکن اب ان کو پورا یقین ہو گیا کہ وہ دیدہ دلیری سے
گئی اور کھلے خزانے بھاگ گئی۔ زیور بھی کچھ کم نہیں۔ چھ ساڑھے چھ ہزار کا مال تھا۔ روپیہ بھی
گیا اور آبرو بھی۔ اور سب سے بڑھ کر وہ بچی جس کو اندھیرے گھر کا اجالا، پھوٹی آنکھ کا دیدہ اور ٹوٹے
گھر کا دیا سمجھتے تھے۔ ایسی ہرگز ہرگز ہمدردی کا مستحق نہیں۔ نتیجہ اس کے سامنے کھلا ہوا تھا۔ اگر
آنکھیں کھول کر دیکھتا تو اس روشن آئینہ میں اس کو یہ گھڑی صاف جھلکتی ہوئی دکھائی دیتی
کس کس نے اس مذہبی کو نہ سمجھایا، بہنوئی نے اس سے کہا، بہنوئی اس سے بگڑا، دوست آشنا
اس کے سر ہوئے۔ اب اس کے واسطے آسمان سے فرشتے تو آنے سے رہے۔ پھر بھی ہم اسے بہت خوش
نصیب سمجھتے ہیں کہ اس کو اپنے کئے کا ابھی تک کوئی بدلا نہ ملا۔ ورنہ کون سا ظلم تھا جو اس نے
نہ کیا اور کون سا ستم تھا جو اس نے نہ توڑا۔ بہنوں کے ترکے اس نے مارے، معصوم بچوں کا حق اس نے
دبایا، بڈھے نوکروں کی تنخواہ اس نے اینٹھی، یتیموں کے مال، مدرسہ کا اسباب۔ رانڈ بہن کا
بستہ کس کس کا شمار دیا جائے۔ وہ تو اندھا اور اپاہج ہو کر لنگڑا اور لولا بنکر در در کی بھیک اور
اندر گھر گھر کی ٹھوکریں کھاتا تو سزاوار تھا۔ مگر دونوں میاں بیوی خوش نصیب تھے۔ رضیہ اگر ماں جائی
نہ ہوتی تو رانڈ کی آہ دونوں کا کلیجہ توڑ دیتی۔ باوجود ان تمام باتوں اور اس سختی کے جو ہم ایسے
معاملہ میں روا رکھتے ہیں۔ اس کی حالت اب قابلِ رحم ضرور تھی اور اگر کوئی اس کے حالات سے
بے خبر دیکھتا تو قطعی متاثر ہو جاتا۔ تین دن اور تین رات چاروں طرف سرگرداں پھرا۔ اب اس کو
صرف یہ ارمان تھا کہ اگر ایک دفعہ اس ہتیار کی صورت دیکھ لوں تو گولی مار دوں۔ دن کی
بھوک اور رات کی نیند سب اُڑ گئی۔ مزا یہ تھا کہ میاں بیوی پر الزام رکھتا تھا اور بیوی
میاں پر۔ چوتھے پانچویں روز اتنا پتہ چلا کہ ہرو برف والے کا لڑکا جو ہر وقت کوٹ پتلون
پہنے پھرا کرتا اور پہلے مکہ ہانکتا تھا ڈورے ڈال رہا تھا۔ زیادہ کھوج لگایا تو اتنا اور پتہ
چلا کہ دونوں اسی تاریخ کو دو بجے دن کی گاڑی سے امرتسر گئے ہیں۔ لپکا ہوا گھر آیا اور
اس کڑکڑاتی سردی اور بہادر میں لحاف لیا نہ رضائی۔ تھوڑے سے روپے لے کر

امرتسر پہنچا۔ سرائوں میں گیا۔ ہوٹلوں میں گیا۔ چاروں طرف پوچھا مگر خاک پتہ نہ چلا۔ ہاں کوتوال سے اتنا معلوم ہوسکا کہ احمد بیگ کانسٹبل جمعہ کی رات کو ایک نوعمر لڑکے اور لڑکی کو لیکر آیا، اور بیان کیا کہ نصیر کی سرائے کی ایک کوٹھری سے رونے پیٹنے کی آواز آئی میں گیا تو دروازہ اندر سے بند تھا اور یہ عورت رو رہی تھی مگر یہ مرد زبردستی اسکو خاموش کررہا تھا میں نے دروازہ کی چول اُتاری تو یہ عورت میرے قدموں پر گر پڑی اور کہا خدا کے لئے مجھے بچاؤ۔ یہ مجھکو بہکا کر گھر سے لے آیا میری عصمت خراب کی میرا زیور چھین لیا میرے پاس صرف یہ گلوبند رہ گیا ہے۔ اس کو بھی لینا چاہتا ہے اور جب مرد سے پوچھا، تو اس نے کہا۔ یہ میری بیوی اور منکوحہ ہے اسکا بیان جھوٹا ہے۔ یہ بدچلن ہے۔ اس کا باپ میر اچھن زندہ ہے اور میں اس کو وہاں پہنچانا چاہتا ہوں۔ کوتوالی میں جب اس عورت سے دریافت کیا گیا تو وہ پڑھی لکھی شریف عورت معلوم ہوتی تھی اور بالکل خاموش تھی۔ اس نے کسی قسم کا اظہار ایسا نہ دیا۔ جس سے کانسٹبل کے بیان کی تصدیق ہوتی۔ وہ دونوں چھوڑ دیئے گئے اور ہدایت کی گئی کہ علی الصباح حاضر ہوں مگر معلوم ہوا کہ وہ رات ہی کو کہیں چلے گئے۔ میر اچھن آپ ہی ہیں۔

میر اچھن۔ جی ہاں میں ہی اس کا بدنصیب باپ ہوں۔

کوتوال۔ ہاں تو جناب یہ معاملہ کیا ہے۔ ماشاء اللہ صاحبزادی خوب چٹاخ پٹاخ ہیں پڑھی لکھی۔ بے جھجک۔ بے حجاب، آپنے تعلیم پر معلوم ہوتا ہے خوب توجہ کی۔

اچھن ساکت تھا۔ یہ حال سنکر اس کی آنکھوں میں بجلی چمک گئی اور پورا یقین ہوگیا کہ یہ کم بخت ہارون نے میری آبرو پر پانی پھیرا۔ کوتوال کی بات کا کوئی جواب دیا۔ اور سیدھا اسٹیشن پر آیا ارادہ کیا کہ گھر چلوں۔ مگر ساتھ ہی خیال آیا، اب یہ صورت کنبہ میں دکھلانے اور عزیزوں میں بیٹھنے کے قابل نہ رہی۔ کس منہ سے جاؤں اور کس دل سے شہر میں پھروں۔ شام تک اسی دھیڑبن میں مبتلا رہا اور آخری فیصلہ یہی ہوا کہ اب زندہ گھر جانا

بے غیرتی کی انتہا ہے۔ اسی وقت بازار گیا۔ تولہ بھر افیون لی۔ اور بیوی کو خط لکھا:۔

" امرتسر پہنچکر معلوم ہوا کہ اکرم برف والے ہندو کے لڑکے کے ساتھ بھاگ گئی۔ میں اور تم دونو دنیا ہی میں نہیں۔ خدا کے ہاں بھی اس وبال میں گرفتار ہونگے۔ جس شخص پر یہ کچھ مصیبت گزر جائے اور جو بزرگوں کی ناک اس طرح کاٹ دے وہ اب کس منہ سے گھر آئے اور لوگوں کو صورت دکھائے۔ تعلیم نسواں کے غلط رستوں اور طرز جدید کے خبط نے مجھکو یہ دن دکھایا میں اب اس دنیا سے رخصت ہوتا ہوں۔ اور جس وقت یہ خط تم کو پہنچیگا اس وقت میری لاش بھی دفن ہو چکی ہوگی۔ میں وہ بدنصیب ہوں کہ مجھکو قبر بھی نصیب نہ ہوگی۔ ڈاکٹر میری لاش کو چیرے پھاڑیں گے۔ اور بھنگی چمار مجھکو دفن کریں گے۔ کفن۔ قبر۔ نماز اور خیرات مجھکو کچھ بھی نصیب نہ ہوگا۔ یہ تمام مصیبت یہ ساری آفت۔ اس خیال کا انجام اور اس شوق کا نتیجہ ہے۔ جو اپنے پاک مذہب کو چھوڑ کر دوسری طرف لے گیا۔ میری موت بظاہر ایک موت ہے مگر درحقیقت میرے مقلدین کے لئے عبرت ہوگی۔ اور مسلمان سمجھ جائیں گے کہ مذہب سے علیحدگی کیا وبال لاتی ہے۔ میں اس وقت اپنے افعال پر نادم اپنی حرکتوں پر پشیمان اور اپنی غلطیوں پر متاسف ہوں میری روح اس وقت پیکر خاکی کو چھوڑ کر اس مالک حقیقی کے حضور میں جاتی ہے جس کی نافرمانی میں میں نے عمر بسر کی اور جس نے مجھکو یہ دن دکھایا مگر آج میں تمہارے سامنے اقرار کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں مسلمان مرتا ہوں اور دعا کرنا کہ مسلمان اٹھوں "

اتنا لکھکر میرا چھین نے خط بند کر ڈاک میں ڈالا۔ اسٹیشن کی تپائی پر لیٹا۔ اور کہا الہ العلمین میرے گناہوں کو معاف کیجیو۔ میری ناپاک روح اب تیرے حضور میں حاضر ہوتی ہے۔ کیونکہ اب دنیا میں اس کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔ اتنا کہکر میرا چھین نے افیون کھائی اور تپائی پر پڑ کر ہمیشہ کی نیند سو گیا۔

خوب آج یہاں [illegible]